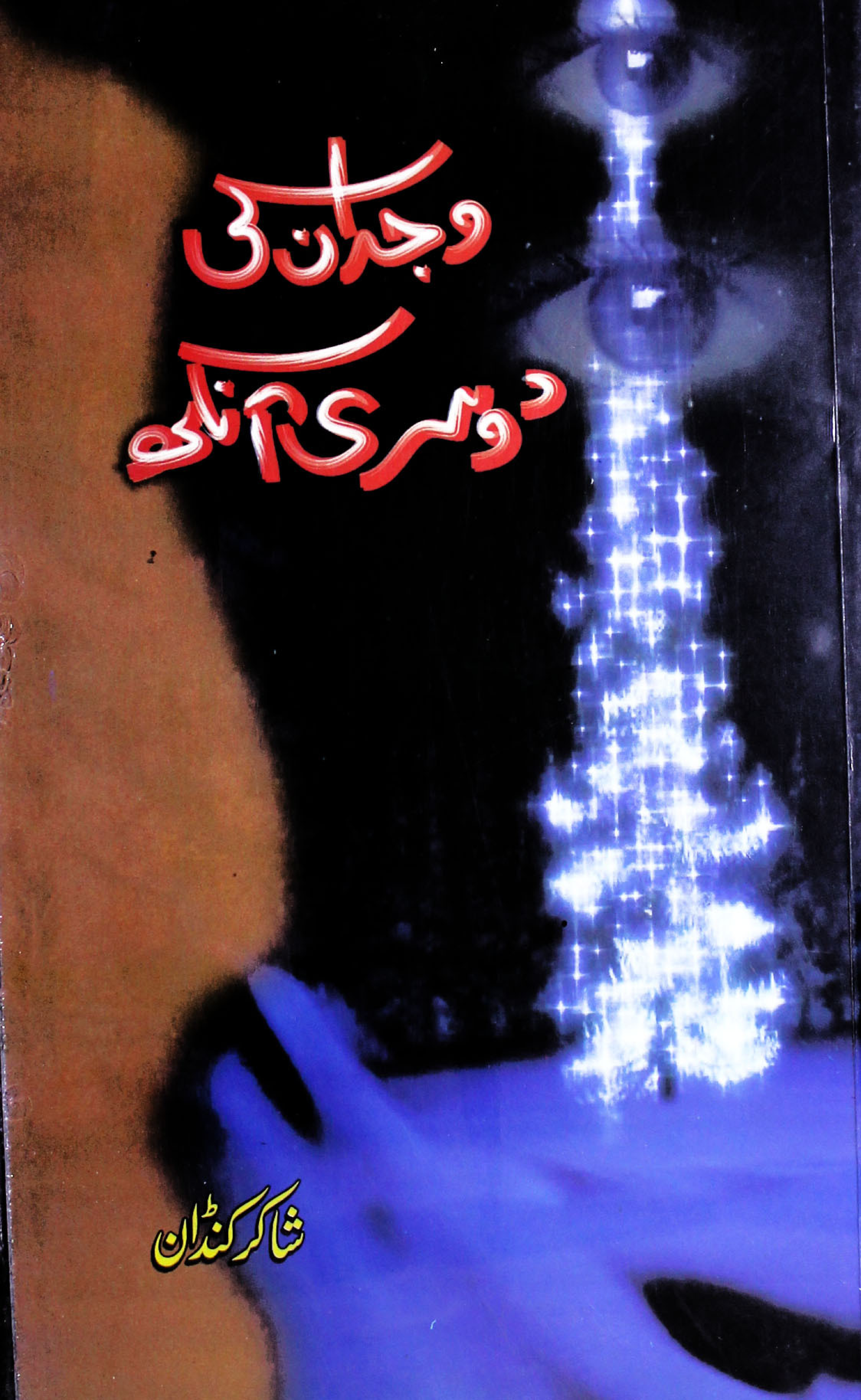
وجدان کی
دوسری آنکھ
شاکر کنڈان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجدان کی دوسری آنکھ

Marfat.com

Marfat.com

وجدان کی دوسری آنکھ

شاکر کنڈان

ادارہ فروغِ ادب پاکستان

132 پی اِستقلال آباد سرگودھا

Marfat.com

1112 20

☆ استحقاق

تمام تصرفات مصنف کی تحویل میں

☆ کتاب

وجدان کی دوسری آنکھ

☆ مصنف

شاکر کنڈان

☆ حروف بین

عاشر وکیل راؤ

☆ نمود

2007ء

☆ قیمت

[redacted] روپے

PUBLISHER

AQEEDAT

132-P Istiqlalabad Sargodha

Mob: 0321-6004961 / 0321-6044826

Marfat.com

قارئین کے نام

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

شاکر کنڈان ادبستانِ سرگودھا کے افق پر شہابِ ثاقب کی طرح نمودار ہوا۔ تمام مقامی شعراء اور ادباء کی توجہ کا مرکز بنا، اور پھر ستارۂ صبح بن کر اس افق پر مستقل منبعِ نور بن گیا۔ کوئی بھی مشاعرہ اس کے بغیر نامکمل اور کوئی بھی تنقیدی اجلاس اس کے بغیر تشنہ دکھائی دینے لگا۔ وہ عساکرِ پاکستان کی اس روایت کا حصہ ہے جس میں چند ایسی قد آور شخصیات نظر آتی ہیں جنھوں نے بظاہر متضاد خصوصیات یعنی عسکری تربیت کی مشقت اور شعر و ادب کی مشق کو اپنی ذات میں یکجا کر دیا۔

شاکر کنڈان کا اصل نام عطا رسول ہے۔ وہ ۱۹۵۱ء میں ضلع سرگودھا کے قصبہ کنڈان میں پیدا ہوئے۔ فوج میں بحیثیت سپاہی بھرتی ہوئے۔ اپنی طبعی ذہانت اور محنت سے تعلیمی سلسلہ کو ایم اے تک پہنچایا۔ ۱۹۸۹ء میں فوج میں کمشن حاصل کیا۔ ترقی کے اس تدریجی عمل کے دوران ان کا گزر زندگی کے مختلف نشیب و فراز میں ہوا اور ہر عمل تجربہ و مشاہدہ عملی لبادہ اوڑھ کر متعدد تصانیف کی صورت میں سامنے آیا۔ ان کی تصانیف میں تین شعری مجموعے، تین جلدیں، اردو ادب اور عساکرِ پاکستان، پاکستان کے مختلف حصوں میں نعتیہ شاعری اور شعراء پر چھ کتابیں، دو سفر نامے اور متعدد مجموعہ ہائے مضامین شامل ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "وجدان کی آنکھ" درحقیقت شاکر کنڈان کے تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ہے۔ انسانی تہذیب کا ارتقاء صرف اس طرح ممکن ہوا کہ انسان نے اپنی معلومات کو آئندہ نسلوں تک منتقل کیا۔ ہر آنے والی نسل گزشتہ نسل کی معلومات کو

Marfat.com

لے کر آگے بڑھتی رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج انسان اور حیوان میں فرق نہ ہوتا۔ کیونکہ کوئی بھی اِنسان یا قوم صفر سے شروع کر کے تہذیب کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتی جہاں یہ آج موجود ہے۔

اندلس کے مشہُور مُسلمان فلسفی ابن طفیل (م ۱۱۸۵ء) نے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ایک داستان کی صورت میں اپنی کتاب "حُیّ بن یقظان" لکھی۔ حُیّ بن یقظان ایک کردار کا نام ہے جو ایک دور افتادہ غیر آباد جزیرے میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو نہ دیکھا تھا اور اس کی پرورش ایک ہرنی کے دودھ پر ہوئی۔ چنانچہ وہ جوان ہو کر ہرنوں کی طرح چار پاؤں (ہاتھ اور پاؤں) پر چلتا تھا۔ اس کی کوئی زبان نہیں تھی۔ عقل و وجدان کی فطری اِستِعداد کے باوجود وہ زیادہ سے زیادہ اتنی ترقی کر سکا کہ اس نے اپنے دفاع اور شکار کے لیے لکڑی کے ڈنڈے بنا لیے۔ عام طور پر اس کی زندگی اور دیگر حیوانات کی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ کسی دوسرے جزیرے سے دو اشخاص اس جزیرے میں آئے۔ آہستہ آہستہ حُیّ بن یقظان ان سے مانوس ہونے لگا۔ پھر ان نو وارد افراد کی کوشش سے وہ بولنے لگا اور اس کی عادات مہذب دُنیا جیسی ہوگئیں۔ ابنِ طفیل اس داستان سے یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ خدا داد فطری صلاحیتوں اور عقل و وجدان کی اِستِعداد کے باوجود انسانی تہذیب اسی صورت میں ترقی کر سکتی ہے جب نسل ہا نسل کے تجربات اور علم نئی نسل کو مُنتقل ہوتے رہیں۔

جب تہذیبِ انسانی، تاریخ کی روشنی میں آئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے تہذیب کی سحر دریاؤں کی وادیوں میں پھوٹی، وادیٔ نیل، وادیٔ دجلہ و فرات اور وادیٔ سندھ اس کے ابتدائی گہوارے تھے۔ مصر، میسوپوٹامیہ اور پاکستان سے علم و آگہی کی یہ آبجو، ایران، یونان اور روما میں داخل ہوئی۔ اب نئی معلومات کے اضافہ کے ساتھ یہ بڑی ندی بن چکی تھی۔ چنانچہ قرونِ وسطیٰ میں اس ندی نے مُسلم معاشرہ کو سیراب کیا۔ مُسلمانوں نے

Marfat.com

اس میں اس قدر اضافے کیے کہ اس نے دریائے ناپیدا کنار کی صُورت اِختیار کر لی۔ یہاں سے اس نے یورپ کا رخ کیا، اور مغربی تہذیب کی تحقیقات نے اسے محیط بیکراں بنا دیا۔ گویا قومیں یکے بعد دیگرے آتی اور جاتی رہیں۔ لیکن ان کے عروج و زوال نے علم و آگہی اور تہذیب کی پیش رفت میں رکاوٹ نہیں ڈالی اور یہ ایک قوم سے دوسری قوم میں مُنتقل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ آج انسان ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔

ہر قوم میں بالعموم اور مُسلمانوں میں بالخصُوص ایک یہ روایت بھی رہی ہے کہ بعض اشخاص نے اپنے انفرادی مشاہدات و تجربات پر مبنی حکمت و دانش کی باتیں تحریری صورت میں دوسروں تک پہنچائیں۔ مثال کے طور پر شیخ سعدی نے کتاب گُلستان لکھی جو نظم و نثر کا مجمُوعہ ہے۔ مولانا جامی نے اسی انداز میں کتاب لکھی جو زیادہ مشہُور نہ ہو سکی۔ بزرگوں کے مَلفُوظات بھی اس ضمن میں آتے ہیں۔ موجودہ دور میں خلیل جبران کی تصانیف نے اس سلسلہ میں شہرت پائی۔ اردو ادب اس صنف سخن سے بڑی حد تک تہی دامن رہا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے ایک باقاعدہ الگ صنفِ ادب کے طور پر اپنایا نہ جاسکا۔ جناب شاکر کنڈان نے اس کی ابتدا کر دی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ نقاد حضرات اسے ادب کی ایک الگ صنف کے طور پر تسلیم کر لیں گے اور ادب برائے زندگی کے قائل حضرات اسے مفید تر صنف قرار دیں گے۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہر نئے اقدام کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ادبستانِ سرگودھا کے ایک تنقیدی اجلاس میں اعتراض ہوا کہ ایسے ادب پارے اور سخن ہائے حکمت اس انداز میں پیش کیے جاتے ہیں کہ گویا وہ قاعدہ کلیہ حتمی اور حرفِ آخر ہوں اور یہ بات اس لیے بھی غلط ہے کہ یہ شعور و آگہی کے سیلِ رواں کو روکنے کی کوشش ہے۔ یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں کہ ہر شاعر یا نثر نگار اپنے ذاتی مشاہدہ کو حتمی انداز میں ہی پیش کرے گا۔ ہمیں اسے یہ حق دینا ہوگا کہ پورے اعتماد سے اپنی بات کہے۔

Marfat.com

دُوسری طرف قاری کو بھی یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کی بات تسلیم کرے یا نہ کرے ہمارے عقیدہ کے مطابق صرف انبیاء علیہم السّلام کی باتیں ہی حتمی ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے مُفکّر کی رائے یا اِستنباط سے اِختلاف کیا جاسکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ وقت کا مزاج اور ضروریات بدل جانے کے بعد حِکمت پر مبنی بعض قاعدہ ہائے کلیہ بھی بدل جاتے ہیں۔ شیخ سعدی کا زمانہ مُسلم معاشرہ کا دَورِ تنزل تھا، اور اس کے سر پر منگول خطرہ منڈلا رہا تھا۔ چنانچہ ان کے فلسفۂ زندگی میں مصلحت بینی اور عافیت کوشی کو بڑی اہمیت ملی۔ انھوں نے کہا:

به دریا در منافع بے شمار ست
اگر خواہی سلامت بر کنار ست

یعنی مانا کہ دریا کے اندر بے شمار منافع اور خزانے ہیں تاہم اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو وہ کنارے پر ہے۔ لہٰذا آرام سے کنارے پر براجمان رہو۔ علامہ اقبال کا عہد مُسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا زمانہ تھا۔ اس میں سخت کوشی، خطرات کے مقابلہ اور جہدِ مسلسل کو اہمیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

میا را بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز ست

بدریا غلط و با موجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز ست

یعنی ساحل پر بیٹھ کر محفل آرائی مت کر، کیونکہ وہاں نوائے زندگی نہایت مدھم اور کمزور ہے، دریا میں کود جا، اور اس کی موجوں سے لڑ کیونکہ حیاتِ جاوداں تو تصادم میں پنہاں ہے۔

Marfat.com

لیکن وقتی تقاضوں کے تحت بعض نظریات کے بدلنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ادیب کو اس کے تجربہ و دانش کے بیان سے محض اس لیے روکیں کہ کل کو اس کے بدل جانے کا اِمکان موجود ہے۔

جناب شاکر کنڈان بڑے دھیمے اور مؤثر انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ بات ان کے دل سے نکل رہی ہے۔ وہ دُنیا کی بے ثباتی، انعاماتِ خداوندی، عملِ پیہم، ضمیر کی آواز، مشرق و مغرب کے تقابل، تعمیرِ نو کا عزم، تحرک، جہدِ مسلسل، حسنِ سیرت، کم گوئی، قول و فعل کے تضاد، خود احتسابی جیسے موضوعات پر خوبصورت انداز میں بات کرتے ہیں، لیکن ان تمام باتوں میں نمایاں ترین خصوصیت ان کی اسلام اور پاکستان سے محبت ہے۔ اس محبت کی خوشبو ان ادب پاروں میں ہر جگہ رچی بسی ہے۔

مُصنف نے اس قدر متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ہے کہ یہاں نمونہ کے طور پر ان اقوال کا اِنتخاب نہ صرف مُشکل ہے بلکہ اس سے کتاب کا بڑا حصہ پیش لفظ میں شامل کر دینے کا خدشہ ہے۔ تاہم محض تعارف کے طور پر چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

1. ہما کا سایہ نہیں کہ وہ تمھارے سر پر آ کر چھتری تان دے اور زر و جواہرات کی بارش شروع ہو جائے۔ یہ در اصل تمھارے اندر کا وہ پرندہ ہے جو تلاش کے لیے اکساتا ہے اور "ہمت مرداں مددِ خدا" کے مصداق وہ وقت کبھی نہ کبھی آ ہی جاتا ہے کہ انسان اپنے مقدر کا سکندر بن جاتا ہے۔ ہما کی تلاش میں آسمان کی سمت نہ دیکھو، اپنے اندر جھانکو اور تلاش کرو۔
2. آج کے بارے سوچو گے تو شاید سکون پا سکو---- گزرے ہوئے کل کے بارے سوچو گے تو واقعی سکون پا سکو گے لیکن آنے والے کل کے بارے سوچو گے تو سکون ناممکن ہے۔

Marfat.com

۳ انسان زندگی میں سانس لے رہا ہوتا ہے لیکن کئی بار وہ مردہ ہوتا ہے ---- کچھ لوگ تو ساری زندگی ہی موت کے شکنجے میں رہتے ہیں ---- شعور کھو دینا، عقل و خرد سے کام نہ لینا، ضمیر کا ساتھ چھوڑ جانا، یہ موت کی کیفیات ہی تو ہیں۔

۴ سورج مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے دوسرے لفظوں میں مشرق، مغرب کو روشنی دیتا ہے لیکن اس کے بدلے مغرب سے تاریکی حاصل کرتا ہے۔ ---- میرے دوست! اپنے ماضی اور حال پر نظر کر ---- دیکھ کہ ہم نے اپنی روشنی مغرب کو دی اور اس کے بدلے تاریکی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ---- یہ کتنا گھاٹے کا سودا ہے۔

۵ ثانیے تمھارے ہیں، صدیاں نہیں۔ صدیوں والے اپنی صدیوں کو خود سنبھال سکتے ہیں۔ تم اپنے ثانیے اپنی مٹھی میں رکھو، ان کو ضائع نہ ہونے دو۔ اگر یہ ضائع ہو گئے تو تم خود ضائع ہو جاؤ گے۔ یہی تمھاری دولت ہے، اسی سے تمھارا نام ہے اور یہی تمھاری زندگی ہے۔

۶ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے تیرتی رہتی ہے، جب پانی کشتی کے اندر آ جاتا ہے، وہ ڈوب جاتی ہے۔ بعینہٖ جب تک انسان دنیا میں رہتا ہے وہ اسے زندہ رکھتی ہے لیکن جب دنیا اس کے اندر آ جاتی ہے، وہ روحانی موت مر جاتا ہے۔

۷ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ پر دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیا خبر کہ وہ کسی بہتری کی طرف پیش رفت ہو ---- دیکھیں نا! اگر حضرت یوسفؑ کو آپ کے بھائی کنوئیں میں نہ پھینکتے اور پھر غلام بنا کر نہ بیچتے تو شاید آپ کبھی عزیزِ مصر نہ بن سکتے۔

۸ شیخ ایاز نے کہا تھا کہ کتے اور آدمی میں یہ فرق ہے کہ کتا جب تک باؤلا نہ ہو جائے وفاداری نہیں چھوڑتا، اور آدمی جب تک باؤلا نہ ہو جائے

Marfat.com

وفاداری نہیں کرتا۔

۹ دیکھیے کسی کمزور کو اِتنا تنگ مت کیجیے کہ وہ اپنی نجات کے لیے آپ کو اندھا کر دے۔

۱۰ رونے سے دل کے داغ دھل جاتے ہیں ---- لیکن رونا وہ اچھا ہے جو اپنی ذات پر ہو۔

خدا کرے جناب شاکر کنڈان طویل عمر پائیں اور طوالتِ عمر کے نتیجہ میں کثرتِ مشاہدات پر مبنی، حکمت و دانش کے موتی نوجوان نسل تک پہنچائیں۔ (آمین)

(صاحبزادہ) عبد الرسول
سرگودھا

Marfat.com

پہلی بات

اِنسان کو حیوانِ ناطق کہا گیا ہے اور واقعی انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و خرد سے نوازا، حیوان سوچ نہیں رکھتا، جب کہ اِنسان سوچ اور فکر سے مالا مال ہے۔ ہر انسان کبھی کبھار کوئی نہ کوئی بات ایسی سوچتا ہے جو خوبصورت اور دل پسند ہوتی ہے، جسے صرف اس کی اپنی ذات ہی نہیں بلکہ دُوسرے لوگ بھی نظرِ استحسان سے دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ جو سوچتے ہیں اور پھر دوسروں تک پہنچاتے ہیں، انھیں دانشور کہا جاتا ہے۔ یہ عقل و دانش کی باتیں اگرچہ ہر شخص سوچتا ہے لیکن دوسروں تک پہنچاتا کوئی کوئی ہے۔ میں بھی اکثر فکر و خیال کے ایسے مرحلے سے گزرتا ہوں۔

میں کوئی ایسا گیانی یا وجدانی نہیں۔ لیکن جو سوچتا ہوں اور بات من کو لگتی ہے اُسے کاغذ پر منتقل کردیتا ہوں۔ یہ سلسلہ آج سے مدتوں پہلے شروع ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے جب پہلا قول نقل کیا تھا تو وہ میرے لڑکپن کا دَور تھا، پھر یہ کاغذات کے ٹکڑے جن پر ایسی باتیں رقم ہوتیں میرے ذخیرۂ کاغذات میں شامل ہوتے رہے اور گم ہوتے رہے۔

ایک دن کاغذات کے ذخیرے میں سے کوئی تحریر تلاش کررہا تھا تو یہ اوراق بھی سامنے آئے۔ میں نے ان کو یکجا کیا تو یہ بہت سے کاغذات تھے۔ پھر کچھ نوک پلک سنواری، انھیں علیحدہ تحریر کیا۔ کچھ دوستوں نے دیکھا تو اس کام کی تعریف کی، بلکہ تعریف کا پہلا پتھر جو پھینکا گیا وہ افضل گوہر کا تھا، اور پھر عاطف مرزا نے اسی بھنور میں دُوسرا پتھر پھینکا۔ اختر رضا سلیمی اور ارشد ملک (سرگودھا) نے آکر مزید اپنے اپنے حصے کے پتھر اس میں پھینکے

Marfat.com

اور پھر میں نے اس بھنور کو وجدان کی آنکھ کا نام دے دیا۔ جب مسودہ ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کو دکھایا تو انھوں نے مجھے نہ صرف چند مفید مشوروں سے نوازا بلکہ تحریری تبصرہ بھی کر دیا۔ بعد ازاں صاحبزادہ عبدالرسول صاحب نے مسودہ دیکھ کر میرے کہنے پر اچھا خاصا پیش لفظ لکھ دیا۔

یوں یہ تمام حضرات جو کہ میرے لیے معتبر اور محترم ہیں، میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اگر یہ میری حوصلہ افزائی نہ کرتے تو شاید "وجدان کی آنکھ" پتھرا کر رہ جاتی۔

یہ نثر پارے ہیں، نثر لطیف ہے، ٹکڑے ٹکڑے پڑھنے سے نثری نظم کا گمان ہوتا ہے یا اقوال ہیں جو کچھ بھی ہے اور جیسے بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔ اگر ایک قول بھی کسی ایک قاری کو پسند آ گیا، اور اس کی زندگی میں شامل ہو گیا یا اسے کچھ سنوارنے میں مدد ہوا تو میں سمجھوں گا کہ میری سوچ اکارت نہیں گئی۔

میں اللہ رب العزت کے حضور اپنی ذات کے لیے بھی دعا گو ہوں کہ وہ مجھے اچھا سوچنے، اچھا سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شاکر کنڈان

سرگودھا

Marfat.com

دُوسری بات

"وجدان کی آنکھ" نام میں ایک لفظ کے اِضافے کے ساتھ "وجدان کی دُوسری آنکھ" کے عنوان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس کتاب کو جتنی پذیرائی ملی وہ میری کسی دوسری کتاب کے حصے میں نہیں آئی، اور چشم زدن میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ دوسرا ایڈیشن اضافے کے ساتھ پیش کرنے میں میرے ممد اور محرک عاشر وکیل راؤ ہیں۔ مزید ذوالفقار احسن اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کے لیے اس پورے عرصے میں بضد رہا۔ سرگودھا شہر کے سکولوں سے اس کی ڈیمانڈ بھی اس کتاب کے دُوسرے ایڈیشن کا پیش خیمہ بنی۔

"وجدان کی آنکھ" میں جو نثر پارے شامل ہیں شاید ان کی پذیرائی کی ایک وجہ میرا اخلاص بھی ہے۔ کیونکہ میرے مطالعے کے علاوہ میرا مشاہدہ اور پھر جو بات میں نے کی ہے میری کوشش ہوتی ہے کہ میں خود بھی اس پر عمل پیرا رہوں۔ مجھے جو بات بری لگتی ہے میں نہ صرف اسے نہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتا ہوں کہ مجھے ایسا کام کرنے کی توفیق ہی نہ دے اور جو بات مجھے اچھی لگتی ہے میں اس کو اپنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ الگ بات کہ میں اکثر ناکام رہتا ہوں۔ پھر یہ کہ سوچتا تو آدمی بہت کچھ ہے میں بھی سوچتا ہوں لیکن جس کام کو میں خود نہیں کرتا میں وہ کسی دوسرے کو بتانا یا ہدایت کرنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

موجودہ ایڈیشن میں پہلے ایڈیشن سے بہت سی باتیں اضافی شامل ہیں۔ بات وہی پہلے والی ہے کہ اگر کسی انسان کے من کو ایک قول بھی بھا گیا، اور اسے اس نے دل سے

Marfat.com

لگالیا تو میرا مقصد حل ہو گیا۔

ایک پروفیشنل کورس کے دوران ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ:

"ہمیشہ اپنے معاون یا جونیئرز کے سامنے خود کو مثال کے طور پر پیش کرو"۔

"**وجدان کی دُوسری آنکھ**" میں آپ دیکھیں گے کہ میں نے زیادہ تر مثالیں اپنی ذات کی دی ہیں۔ یہ اچھی ہیں یا نہیں، اِصلاح کے قابل ہیں یا نہیں؟ اس کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ لیکن --- بہر حال میں ان پر کاربند ہوں، جیسا بھی ہوں۔

شاکر کنڈان

Marfat.com

اللہ سب سے بڑا ہے' ہر بڑائی اور غرور اُسے زیبا ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں۔ بندہ غلام کو کہتے ہیں----- غلام ہونے کے باوجود اس کی نافرمانی ہمارا شیوہ ہے۔ ہم کبھی کبھار تو نافرمانی میں حد کر دیتے ہیں۔ لیکن اس نے اکبر ہونے کے باوجود کبھی اپنی عنایات سے ہاتھ نہیں کھینچا۔ ہمیں غلامی کی پوری پوری قیمت دیتا ہے۔

پھر--- کیا وجہ ہے کہ ہم برابر کے لوگوں سے بے رحمی کرتے ہیں۔ ہم فخر میں انھیں نہایت حقارت سے دیکھتے ہیں--- حالانکہ ہم سب برابر کے غلام ہیں---- کیا غلاموں کو ایسی حرکات زیب دیتی ہیں؟

یہ دھرتی' اس پر بہتے ہوئے دریا' اور سمندر' ان میں رہنے والے جانور' یہ سر سبز و شاداب کھیت' زیت کے ذراتؑ کو اکٹھا کر کے بنائے گئے صحرا' اونچے لمبے درختوں سے سجے ہوئے جنگل' ان میں بسنے والے پکھیرو' اور جانور' چٹانوں کو دھرتی کی چھاتی پر گاڑ کر بنائے گئے پہاڑ' انسانی وجود--- اور ان کے دم سے آباد بستیاں۔

اور پھر---- یہ خلا--- ہوا---- مینہ برساتے ہوئے بادل--- کڑکتی اور چمکتی ہوئی بجلی---

آسمان--- ان میں موتیوں کی مالا' اور نگینوں جیسے جڑے ہوئے اور اپنی حیثیت میں علیحدہ علیحدہ تارے' چاند' سورج---

کیا یہ سب نظر آتی ہوئی---- لکھوکھا چھپی ہوئی چیزیں--- ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی نہیں کہ اس سارے سلسلے کا بنانے والا کوئی ہے۔ کوئی اس سارے نظام کو چلانے والا ہے---- کوئی سنبھالنے والا ہے--- کوئی رکھنے والا ہے---- کوئی تبدیلیاں لانے والا ہے--- کوئی ہمیں دکھ کے بعد سکھ اور سکھ کے بعد دکھ دینے والا ہے--- کوئی

Marfat.com

ہمیں اس دنیا میں لانے اور پھر یہاں سے لے جانے والا ہے۔۔۔ اور یہ سب کچھ کرنے والی ذات اکیلی ہی ہو سکتی ہے۔۔۔ بالکل اکیلی۔۔۔ کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک ریاست میں دو حاکم جب نہیں رہ سکتے تو اتنے بڑے نظام کو چلانے کے لیے دو ہستیوں میں اتفاق کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔

تو پھر میں کیوں نہ مانوں کہ اللہ احد۔۔۔ اللہ الصمد۔۔۔ لم یلد۔۔۔۔ لم یولد۔۔۔ ولم یکن لہ کفوا احد

میں تو آنکھ کھول کر یہ دیکھ رہا تھا کہ اندھیرے سے روشنی کی طرف کیسے آ گیا۔۔۔ اور اس تبدیلی پر رو بھی رہا تھا۔ اسی اثنار میں میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔۔۔ ایسی آواز جس نے میرے احساس کو جگا دیا۔ مجھے ہوش کی دُنیا سے آگاہ کر دیا۔ وہ پہلی آواز تھی جو میں نے سنی۔۔۔

اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر (اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے) اور پھر میں شعوری طور پر بھی عالمِ ارواح سے نکل کر عالمِ فنا میں آ گیا۔ ایک یقین کے ساتھ۔۔۔

میں نے اس سب سے بڑے نام اور سب سے بڑے نام کے سہارے پر زندگی کی ابتدار کر دی۔

اور پھر۔۔۔ جب بھی میں ڈگمگایا، میرے قدم لرزے تو اسی ذات نے مجھے سنبھالا اور سہارا دیا۔۔۔۔ میں نے کچھ نہ کیا لیکن اس نے مجھے سب کچھ دیا۔۔۔ پر میں ایک ذرے جتنا بھی۔۔۔ یعنی بہت چھوٹا سا بھی اس کا شکریہ ادا نہ کر سکا۔۔۔ بس یہی ایک میری بد بختی ہے۔

ہمیں اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کتنا پیار ہے، یہ لفظوں

Marfat.com

سے ادا کرنے والی بات نہیں، بلکہ دل کی ایک کیفیت ہے --- جذبوں کا رنگ ہے --- اور احساسات کا عنصر ہے --- جس کا اظہار ہمارے عمل سے ہوتا ہے۔

ہم آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نام آتے ہی آنکھوں کو جھکا کر بند تو کر لیتے ہیں لیکن وہ محبت کی روشنی آنکھوں میں نظر نہیں آتی جو بھرپور عقیدت کی ہونی چاہیے --- ہونٹوں کا بوسہ تو لیتے ہیں لیکن بوسے میں وہ تقدس دکھائی نہیں دیتا --- دل میں جھانکنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن وہ تصویر نہیں دیکھ پاتے جس کی محبت کا دم بھرتے ہیں ---- سوتے ہوئے ہم درود و سلام پڑھ کر سوتے ہیں لیکن خواب میں وہ ہستی دکھائی نہیں دیتی --- آخر کمی تو ہم میں ہوئی نا ------ یہ کمی کہاں ہے؟

میں تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین رکھتا ہوں۔ وہ اپنی کائنات سے پہچانا گیا۔ اس نے قرآن مجید نازل فرمایا، جو حق اور سچ ہے --- یہ میرا ایمان ہے --- پھر --- یہ قرآن جس ہستی پر نازل ہوا، اس کے حروف میں جس پاک وجود کی تعریف ملتی ہے اس میں جس کی سیرت کا تذکرہ ہے، جسے سراپا قرآن کہتے ہیں۔ جس کی رسالت کا بتایا گیا ہے۔ جسے رحمۃ لِلّعالمین کہا گیا ہے --- اس ہستی کی عظمت، رسالت، رحمت، محبوبیت، سچائی، امانت داری --- اور اس کے رہبرِ اعظم ہونے میں جب کوئی شک ہی نہیں تو میں کیسے اقرار نہ کروں؟

خدانخواستہ اگر میں اس حقیقت سے انکار کر دوں تو پھر اللہ کی ذات کو تسلیم کرنے میں بھی --- میں --- نہ نہ --- اللہ نہ کرے --- میں یہ کسی صورت نہیں کہہ سکتا --- بلکہ جس ہستی پر اللہ رب العزت اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں --- میں بھی لمحہ لمحہ اس پاک اور پاک صفتوں والے پیغمبر --- نبی --- رسُول پر درود اور سلام بھیجتا ہوں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا محمد رسُول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

Marfat.com

انسان کبھی غریب نہیں ہوتا۔ صرف اسے اپنی امارت کا احساس ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیش بہا دولت دے رکھی ہے۔ بس سوجھ بوجھ ہونی چاہیے۔ کسی ہٹے کٹے فقیر نے ایک دولت مند لنگڑے کے سامنے ہاتھ پھیلائے کہ اللہ کے نام پر ایک روپیہ دے دو۔۔۔۔ امیر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمھیں مجھ سے بھی زیادہ دولت دے رکھی ہے۔

فقیر نے جواب دیا: سائیں! کیوں میرا مذاق اڑاتے ہو۔۔۔۔ میں تو غریب آدمی ہوں، میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔

امیر آدمی نے کہا: اچھا جتنے پیسے تمھیں چاہییں میرے سے لے لو اور مجھے اپنی دولت کا آدھا حصہ دے دو۔

فقیر نے گدڑی اور کشکول آگے کر دیا، اور کہا: میرے پاس یہ ہے، لے لو۔

امیر آدمی نے کہا: نہیں، ایک لاکھ روپیہ لے لو اور مجھے اپنی دائیں ٹانگ دے دو۔۔۔۔۔ فقیر نے انکار کر دیا۔

دولت مند نے ایک لاکھ کے بدلے ہاتھ مانگا، پھر آنکھ کی بات ہوئی لیکن فقیر کچھ بھی دینے کے لیے تیار نہ ہوا۔

کاش کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دولت کو پہچانیں۔

ہما کا سایہ نہیں کہ وہ تمھارے سر پر آ کر چھتری تان دے اور زر و جواہرات کی بارش شروع ہو جائے۔ یہ دراصل تمھارے اندر کا وہ پرندہ ہے جو تلاش کے لیے اکساتا ہے اور "ہمتِ مرداں مددِ خدا" کے مصداق وہ وقت کبھی نہ کبھی آ ہی جاتا ہے کہ انسان اپنے مقدر کا سکندر بن جاتا ہے۔

ہما کی تلاش میں آسمان کی سمت نہ دیکھو اپنے اندر جھانکو اور تلاش کرو۔

Marfat.com

کبھی کبھی میں اچھے اور نیک لوگوں کے مجمع کے پاس بھی بیٹھ جاتا ہوں۔ وہاں نیکی کی باتیں سنتا ہوں، وعظ سنتا ہوں--- یہ مقصد بھی کبھی ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مل جائے تو اس اور اس جہان کی سب نعمتیں مل جائیں گی--- اور پھر---- بس پھر تو وارے نیارے ---- لیکن میرے اندر سے ایک آواز آتی ہے :

پگلے! کیوں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اس طرح در در پر بھٹکنے سے کیا تو اللہ کو پالے گا --- جا---- اپنے من میں جھانک کر دیکھ۔ وہ تیری شہ رگ سے بھی نزدیک ہے۔ اگر اس کو ڈھونڈنا ہے تو پہلے خود کو ڈھونڈ۔ جب خود کو پالو گے تو وہ خود بخود ہی تمھیں مل جائے گا۔

اور پھر مجھے وہ ننگ دھڑنگ شخص یاد آجاتا ہے---- جی ہاں وہی--- جواب بھی کبھی کبھی مجھے راستے میں دکھائی دیتا ہے تو میں مُنہ پھیر لیتا ہوں۔

ایک دن میں اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ دسمبر کی یخ رات تھی۔ کوئی دو بجے کا وقت ہوگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم لوگ شہر سے گاؤں تک دس میل کا سفر پیدل کر کے جاتے تھے۔ میں تین میل کے فاصلے پر پہنچا ہوں گا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی ---کمر کے ساتھ صرف لنگوٹی باندھے راستے کے اوپر بڑے آرام سے سو رہا ہے۔ میں نے اپنے وجود پر نگاہ ڈالی۔ گرم کپڑے--- گدھے جتنا بوجھ لادا ہوا--- اندھیرے کا خوف، رات کی سائیں سائیں کا ڈر--- اس پر پیدل چلنے سے بھی حرارت کا احساس۔ لیکن پھر بھی سردی سے ٹھٹھرا ہوا جسم----

اور پھر میں---- اب بھی کبھی سوچتا ہوں۔ اس آدمی کو سردی اور گرمی کا احساس کیوں نہیں تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے خود کو پہچان لیا ہو---- لیکن کیا اگر خود کو پہچان لیا ہے تو اللہ کو بھی خود ہی پہچانا ہے یا اس نے اپنی پہچان خود کروائی ہے---- پہل کس طرف سے ہوئی ہے--- اور پھر--- نجانے میں یہ کیا سوچنے لگ گیا ہوں؟

111270

Marfat.com

موت وہ دیوارِ گریہ ہے کہ جب تک اس کے دوسری جانب خود نہیں جاؤ گے اس سمت کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتے۔ سوائے اس کے کہ جو کچھ علم ہمیں دیا گیا ہے وہ برحق ہے اور زندگی ایک ایسا امتحان ہے جس کا رزلٹ اس دیوار کی دوسری جانب جا کر ہی معلوم ہوتا ہے۔

لہرا رہے ہیں جن کے علم بر سرِ مکان
پردے ہٹا کے ان کی حقیقت بھی دیکھیے

پہاڑ کو ہم اپنی جگہ سے ہٹا تو نہیں سکتے لیکن اگر مسلسل کھدائی کا عمل جاری رہے تو اس کی اونچائی کو کم ہی نہیں بلکہ ختم بھی کر سکتے ہیں ---- آج کتنے ایسے پہاڑ ہیں جو اپنی جگہ پر نہیں اور ---- وقت اور انسان کے ہاتھوں ختم ہو چکے ہیں۔

کہتے ہیں "مایوسی گناہ ہے" بالکل صحیح کہتے ہیں۔ کیونکہ مایوسی میں کبھی کبھار آدمی خودکشی کی نوبت تک پہنچ جاتا ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو ---- ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جایا جائے تو یہ بھی زندگی کا قتل ہے۔ لہذا ہر دو حالت میں گناہ ہے ---- نئے عزم اور حوصلے سے کام میں جت جاؤ ---- مایوسی کو پاس پھٹکنے بھی نہ دو اور پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسے کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔

میری زندگی سادہ سی ہے۔ میرے گھر میں بھی تکلفات کا گزر نہیں۔ ایک دفعہ مجھے ملنے کے لیے ایک "بڑی شخصیت" آ رہی تھی۔ میری بیوی نے کہا کہ: اسے آپ

Marfat.com

اس بیٹھک میں بٹھائیں گے، کھانے میں کیا پکایا جائے۔ میں نے اسے معمول کے مطابق پکانے کا کہا، اور ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ مجھے ملنے آ رہا ہے۔ اگر اس کو میرے سامان یا تکلفات سے ملنا ہے تو وہ اس کے گھر میں بہتیرے ہیں--- اور اللہ کا شکر ہے کہ ہر خاص و عام کے ساتھ میرا رویہ ایک جیسا ہے۔

یہ بات ہے اصولوں کی اور آپ کی شخصیت کی، اونچی ایڑی کا جوتا پہن لینے سے آپ کا قد اونچا نہیں ہو جاتا۔ یا----- ہماری پنجابی روایت کے مطابق اپنے گال پر تھپڑ مارنے سے رنگ سرخ نہیں ہو جاتا۔ اپنے آپ میں رہیے، غلط طریقوں سے آپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش مت کیجیے۔ نمود و نمائش آپ کی شخصیت کو بڑا نہیں کرتے۔ یہ فرضی چیزیں ہیں--- اپنے اصولوں اور کردار کے بل پر خود کو بڑا کیجیے۔

تنقید سے نکھار پیدا ہوتا ہے--- خواہ وہ زندگی کے کسی شعبے سے مُتعلق ہو یا خود زندگی سے مُتعلق--- اگر حکومت پر تنقید کی جائے تو وہ مُمکن ہے اپنے آپ کو صحیح راستے پر چلائے۔ ادب میں تنقید ہو تو وہ مثبت ہو سکتا ہے۔ ذات پر تنقید ہو تو ذات کی خامیاں دور ہو سکتی ہیں۔

تنقید کا تعلق اپوزیشن سے ہے۔ لہذا حزبِ اختلاف کا ہونا نظام کو چلانے کے لیے ضروری ہے۔ اگر حزبِ اختلاف نہ ہو تو اقتدار کی من مانیاں اور بے تنقید عمل زندگی کو اجیرن بنا دے۔

اپنے مسائل کا حل خود ہی تلاش کرو۔ اگر دوسرے پر ڈال دو گے تو وہ تمھارے لیے مسائل میں مزید اضافہ کر دے گا، اور تم اس کے بارِ احسان تلے بھی دب جاؤ گے، اپنے مسائل کے حل کے لیے خود ہی وسائل کی تلاش پر عمل سے تمھارے اندر نہ صرف

Marfat.com

ایک نیا جذبہ ابھرے گا بلکہ متحرک بنادے گا۔ جس سے زندگی جہاں مصروف گزرے گی، وہاں پُرسکون بھی------

ایک محاورہ ہے: ''دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر''۔------ قابلِ غور بات ہے کہ آپ جس معاشرے اور ماحول میں رہ رہے ہیں، وہاں بھی مگرمچھ موجود ہیں۔ آپ اگر ان مگرمچھوں سے بگاڑ کر رکھیں گے تو آپ کا جینا دوبھر ہوجائے گا۔ اور کیا خبر وہ مگرمچھ کسی بھی وقت موقع ملنے پر آپ کو ہڑپ کرجائیں۔ ----- تو گویا معاشرے میں رہتے ہوئے مگرمچھوں سے دور رہیں----- ان سے بچ کر رہیں----- اور ہوشیار رہیں----- یا پھر اگر انھیں چھیڑنے کا حوصلہ ہے تو پہلے خود کو ان سے بڑا مگرمچھ نہیں تو کم از کم ان کے برابر کا ضرور بناؤ۔

مگر یہ سوچ ذہن میں رہے کہ اس سے آپ کون سے مقاصد حاصل کریں گے۔

آج کے بارے سوچو گے تو شاید سکون پاسکو---- گزرے ہوئے کل کے بارے سوچو گے تو واقعی سکون پاسکو گے لیکن آنے والے کل کے بارے سوچو گے تو سکون ناممکن ہے۔

کیا آپ کو پتا ہے کہ انسان کی کتنی پرتیں ہیں----؟

جی ہاں! انسان کی کئی پرتیں ہیں۔ کئی پہلو ہیں---- کئی رنگ ہیں---- لیکن عام طور پر ہم اس کے ایک ہی رنگ کو دیکھتے ہیں۔ وہی ایک پہلو جو ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ اسی سے اندازہ لگا کر ایک چھاپ لگا دیتے ہیں۔----- پھر جب بھی اسے پرکھنا ہو تو اس کے اسی رنگ یا پہلو کو کسوٹی بنا لیتے ہیں۔

Marfat.com

نہیں! ایسا نہ کیجیے --- انسان کو ادھورا نہ رہنے دیجیے --- اس کے حصے بخرے نہ کیجیے --- اس کے سب رنگ پرکھو گے --- تمام پہلو دیکھو گے --- تمام پرتیں کھولو گے تو مکمل اِنسان کو پڑھ سکو گے --- لہٰذا پورا انسان دیکھیے اس کا ایک جز نہیں۔

انسان زندگی میں سانس لے رہا ہوتا ہے لیکن کئی بار وہ مردہ ہوتا ہے ----- کچھ لوگ تو ساری زندگی ہی موت کے شکنجے میں رہتے ہیں --- شعور کھو دینا، عقل و خرد سے کام نہ لینا، ضمیر کا ساتھ چھوڑ جانا، یہ موت کی کیفیات ہی تو ہیں۔

ایک ڈرائیور کو دیکھیں وہ جب حد سے زیادہ تیز چل رہا ہوتا ہے تو وہ کسی کی جان کے لیے خطرہ ہے، گویا وہ مردہ ہے۔ ایک آدمی بے غیرتی میں بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے، وہ جیسی بھی زندگی گزار رہا ہے مردہ ہے، کسی بھی نشے کی حالت میں شعور کھو بیٹھنا، یہ موت کے لمحات ہیں اور جو بھی ان میں مکمل طور پر الجھ کر رہ جاتا ہے وہ جیتے جی مردہ ہے۔ دراصل شعور، عقل، ضمیر، احساس اور ہوش و حواس ہی زندگی ہے۔

ایک بچی اپنے باپ کے پاس کھڑی تھی --- آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اچانک زور سے بجلی کڑکی، بچی ڈر کر باپ کے ساتھ چمٹ گئی اور رونے لگ پڑی۔

باپ نے بچی کو پیار کیا اور پوچھا:

کیوں --- بیٹا کیا ہوا --- ڈر کیوں گئی ہو؟ بچی نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا --- ''اللہ میاں''۔

کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کو اتنے خوفناک روپ میں ظاہر کر رکھا ہے کہ بچے بھی اس سے ڈر جاتے ہیں۔

اللہ میاں تو رحیم ہے، کریم ہے، مہربان ہے، شفیق ہے ---

Marfat.com

پھر کیوں۔۔۔؟ ہم نے اسے اتنا قاہر و جابر اور قہار کیوں بنا دیا ہے کہ معصوم بچے بھی ڈر جاتے ہیں۔

حضرت علامہ اقبال کے مقام اور مرتبے کی بات ہو رہی تھی۔ ایک دوست نے اپنا ایک واقعہ سنایا: میں ایک مسجد میں جُمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے گیا۔ مولوی صاحب مِنبر پر براجمان بڑے جوش سے تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ مجمع کی طرف سے کوئی Responce نہیں مل رہا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوئے۔ نمازیوں کو دیکھا اور فرمایا:

دوستو! شاید اسی موقع کی مناسبت سے علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

اس شرط پہ کھیلوں گی پیا پیار کی بازی
جیتوں تو تجھے پاؤں ہاروں تو پیا تیری

مجمع میں ہلچل ہوئی، ایک سمت سے آواز آئی: "نعرۂ تکبیر"۔ سب نے مل کر کہا: ۔۔۔۔۔"اللہ اکبر"۔

ہے ناں جاہلیت۔۔۔۔ ہمارے رہنما۔۔۔ مِنبرِ رسُولؐ پر بیٹھے لوگ کتنے فضول ہیں۔ انھیں صرف علامہ اقبال کا نام آتا ہے جو بے چارہ ہر جا بے جا موقع پر رسوا ہو رہا ہے۔ پروین شاکر کے اس شعر کو اگر ڈانڈے ملاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات سے جوڑنا چاہیں تو شاید جڑ جائے۔ لیکن کوئی ایسی تک نہیں بنتی کہ اسے خواہ مخواہ مجاز سے نکال کر حقیقت کا چولا پہنا دیا جائے۔

اور پھر۔۔۔ جب عالم، فاضل اور ہدایت یافتہ طبقہ ایسا ہو تو زمین پر بیٹھے لوگوں کے بارے ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟

Marfat.com

کرنل محمد طفیل (آرمرڈکور) ایک کانفرنس کے لیے کھاریاں سے گوجرانوالا جارہے تھے، وزیر آباد سے نکلے تو پیچھے سے ایک ٹیوٹالینڈ کریوزر آئی اور اوورٹیکنگ کے لیے ہارن بجاکر راستہ خالی چاہا۔ کرنل طفیل نے مڑ سے دیکھا کہ جنرل آفیسر کمانڈنگ ہے، اور اسی نے کانفرنس کو پریذائیڈ کرنا ہے۔ جیپ کا ہارن بجتا رہا، لیکن گوجرانوالا کانفرنس ہال تک کرنل طفیل (جو کہ خود گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے) نے اسے راستہ نہ دیا۔ وہاں جب ہال میں داخل ہوئے تو جنرل صاحب نے کہا:

طفیل! تمھیں علم تھا کہ میں نے کانفرنس میں آنا ہے۔ پھر بھی تو نے مجھے راستہ نہ دیا؟ کرنل طفیل نے جواب دیا: سر! جب آپ کو علم تھا کہ آپ نے کانفرنس میں آنا ہے تو آپ کو یہ بھی اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ کتنا وقت لگے گا، اور راستہ میں کسی رکاوٹ کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ سو آپ کو تھوڑی دیر پہلے نکلنا چاہیے تھا۔

جب کہیں وقت پر پہنچنا ہو اور سفر بھی طویل ہو تو جلدی نکل پڑو، تاکہ اگر تھوڑی دیر کے لیے راستے میں رکاوٹ پیش آجائے تو اسے Cover کرنے کے لیے آپ کے پاس وقت ہو۔ کسی نے شاید اسی موقع کے لیے کہا ہے: ع

مسافر شب سے اٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے

آپ دشمن سے میدان مار لیتے ہیں، اس کو شکست فاش ہوتی ہے --- تباہی ہوتی ہے --- یہ برتری نہیں --- برتری یہ ہے کہ دشمن پر آپ کا خوف طاری ہوجائے اور ایسا خوف کہ جو ختم نہ ہو۔ آج کی جنگ میدان سے زیادہ میڈیا کی ہے۔ دشمن کے اخلاق کی تباہی بھی دشمن پر فتحِ عظیم ہے۔

ہم اپنے آپ کو اخلاقی طور پر اتنا مستحکم کردیں کہ دشمن کے تمام حربے ناکام

Marfat.com

ہو جائیں اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ ہم پکے اور سچے مُسلمان ہو جائیں۔ قرآنِ حکیم اور سیرتِ رسُول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہماری رگ رگ میں سما جائے۔

خوف سے چاند نہ نکلے تو وفا کی خاطر
جل کے رہوارِ محبّت کا دیا ہو جانا

کھیل جادو کا اگر کھیلنا چاہیں دشمن
تجھ پہ لازم ہے کہ میداں میں عصا ہو جانا

یوں تو ہم سب بھکاری ہیں --- لیکن بہتر یہی ہے کہ ایک ہی در سے مانگا جائے --- وہ در جہاں سے کوئی سوالی مایوس اور ناکام نہیں لوٹتا، بلکہ مانگنے سے قبل ہی وہاں سے سب کچھ عطا ہوتا ہے --- دعا کریں کہ وہ ہم سب کو اپنے در کا علاوہ کسی اور در پر ہاتھ پھیلانے سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

سورج مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں مشرق، مغرب کو روشنی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بدلے مغرب سے تاریکی حاصل کرتا ہے --- میرے دوست! اپنے ماضی اور حال پر نظر کر --- دیکھ کہ ہم نے اپنی روشنی مغرب کو دی اور اس کے بدلے تاریکی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا --- یہ کتنا گھاٹے کا سودا ہے۔

میرے بزرگوں نے مجھے پاکستان کے روپ میں آزادی کا تحفہ دیا، اور میں نے ان کی ساری خامیوں کو بھلا دیا، بلکہ کبھی ذکر بھی نہیں کیا، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ اس

Marfat.com

بے راہروی کی منزل پر پہنچانے میں میرے بزرگوں کا زیادہ ہاتھ ہے۔ لیکن میں نے انھیں معاف کر دیا۔

مگر میں نے امانت میں خیانت کی، اور آدھا پاکستان گنوا دیا، اور اس حقیقت کو تسلیم بھی نہیں کیا، بلکہ ایک دوسرے کے سر الزام لگاتے رہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ شاید میرا اللہ بھی مجھے اس پر معاف نہ کرے۔ پھر--- میری آنے والی نسل مجھے کیسے معاف کرے گی؟۔

چیف آف آرمی سٹاف نے فوجی جوانوں کے اِجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں، اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس سے دُور رہیں۔ لیکن ملک میں جمہوریت کے قیام اور اس کے فروغ کے لیے ہم سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

وزیرِاعظم نے عوامی ریلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"ہماری بہادر افواج دشمن کی جارحیت کا مُنہ توڑ جواب دینے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے"۔

اگر یہ ایک بار کہا جاتا تو شاید میں اس پر کبھی غور نہ کرتا۔ لیکن ہر تقریر میں، یہی ایک بات--- بار بار دہرایا جانا میرے لیے ایک مُعمّہ بن گیا ہے۔ اور میں اسے حل کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گیا ہوں۔

کیا اسے سمجھنے میں آپ میری کوئی مدد کر سکتے ہیں؟

Marfat.com

مجھے اپنی ذات میں خوبیاں ڈھونڈنے اور دوسروں کی ذات میں سے خامیاں تلاشنے کا فن نہیں آتا۔۔۔۔ اور شاید اسی وجہ سے احباب مجھے پسند کرتے ہیں۔ کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں آج کے حالات میں ان فٹ ہو۔۔۔۔ لیکن میں بڑے سکون کی زندگی گزار رہا ہوں۔ آپ بھی اپنی خامیوں اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھیں۔ کسی کو آپ سے کوئی گلہ نہیں رہے گا۔

گرنے کے بعد آدمی اگر نئے عزم سے اٹھے تو وہ پہلے سے بھی بہتر کسی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جاپان نے دوسری جنگِ عظیم میں تباہی کے بعد اپنے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ جو قومیں ایک بار مٹیں، جب نئے ولولے سے اٹھیں تو دنیا آباد کرڈالی۔۔۔۔ جو شہر زمین بوس ہوئے دوبارہ آباد ہونے پر پہلے سے بہتر نظارا پیش کیا، تو اگر ناکامی کو کامیابی کا زینہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

اپنے ارد گرد کو ایسا آئینہ سمجھو جس میں تم جتنی بار اپنا چہرہ دیکھتے ہو تو خوبصورت لگتا ہے، اور تم اسے مزید بنانے سنوارنے میں لگ جاتے ہو۔ وہ مزید خوبصورت دکھائی دینے لگتا ہے اور اگر کبھی دھندلاہٹ دکھائی دے تو آئینے کو بھی صاف کرنے لگتے ہو۔

یہ دُنیا "تھر" کی مانند ہے، جو دیکھنے کی حد تک دلوں کو لبھاتا ہے، لیکن رہنے کے قابل نہیں، اس دُنیا میں بھی مستقل کوئی نہیں رہنا چاہتا۔ جو رہ رہے ہیں، وہ بھی ناخوش ہیں۔

Marfat.com

ہمارے ہاں دیہاتوں میں نلکے یعنی ہینڈ پمپ ہوتے ہیں۔ جہاں پانی گرتا ہے وہ جگہ سیمنٹ سے پکی بنائی جاتی ہے۔ عورتیں پانی بھرتے ہوئے مٹی کا گھڑا وہیں رکھتی ہیں۔ شاید آپ نے مشاہدہ کیا ہو کہ تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد وہ جگہ گولائی میں گھس جاتی ہے۔ لیکن گھڑوں پر اس کا اتنا اثر نہیں پڑتا، حالانکہ گھڑا مٹی سے بنا کر پکایا جاتا ہے اور وہ جگہ مضبوط سیمنٹڈ ہوتی ہے لیکن مٹی کی مستقل مزاجی سیمنٹ کی مضبوطی کو بھی مٹا دیتی ہے--- یہی مستقل مزاجی ہو تو وہ انسان کو سخت چٹانوں سے ٹکرا دیتی ہے اور ان پر فوقیت دلاتی ہے۔

ہمیں بھی مٹی کے اس گھڑے سے زندگی گزارنے کا فن سیکھنا چاہیے۔

ہیرے کی چمک آنکھوں کو چندھیا تو سکتی ہے روشنی نہیں دے سکتی--- دل کو لبھا تو سکتی ہے، دل کو دھڑکن نہیں دے سکتی--- ہیرے سے زندگی کو موت کے چنگل سے نہیں بچایا جاسکتا۔ اس سے قبر پر مقبرہ تو بن سکتا ہے قبر کو اندر سے منور نہیں کیا جاسکتا---

ہیرا ایک سخت شے شمار کی جاتی ہے، لیکن اپنی تمام تر سختی کے باوجود اسے ہوا میں گرم کیا جائے تو گیس بن کر اڑ جاتا ہے اور----- آپ کو پتا ہے یہ کون سی گیس ہوتی ہے؟:

جی ہاں! یہ کاربن ڈائی اکسائڈ ہوتی ہے اور سائنس دان کہتے ہیں کہ کاربن ڈائی اکسائڈ گیس انسانی صحت کے لیے مضر ہے، تو پھر--- ایسی مضر شے کو کیوں اپنے پاس رکھا جائے۔ اسے بیچ کر اس کی رقم سے کیوں نہ کسی کی آنکھوں کو روشنی دلانے کی کوشش کی جائے۔ بند ہوتی دھڑکنوں کو بحال کرانے کی کوشش کی جائے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے سامان حاصل کیے جائیں۔

Marfat.com

جس دن تمھیں چین اور آسودگی مل گئی سمجھو کہ تم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مسلسل جہد و عمل ہی سے زندگی میں حرارت ہے۔ اگر یہ بے چینی اور بے آسودگی نہ ہو تو حرکت کرنے کو جی ہی نہیں چاہے گا، اور جب حرکت نہیں ہوگی تو پھر آپ سمجھ سکتے ہیں ------

تیمور کئی دفعہ ناکام ہوا اور بالآخر حکومت واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔ ہمایوں جلاوطن ہوا لیکن دوبارہ ہندوستان کا شہنشاہ بنا ---- لنکن کئی بار ناکامی سے ہم کنار ہو کر امریکہ کا معمار بنا۔ ہمارے سامنے ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کامیابی کے لیے ناکامی ایک سبق ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اسے پڑھا جائے اور اس سے کچھ سیکھا جائے --- اور پہلے سے زیادہ طاقت اور ہمت کے ساتھ قدم اٹھایا جائے۔

ٹاٹ کا لباس اتنا سستا نہیں کہ ہر کہہ و مہ خرید سکے۔ ایک لباس کی قیمت آپ کی پوری جمع پونجی ہے ---- یہ لباس دکانوں سے دستیاب نہیں --- خریدنا ہے تو کسی گدڑی پوش کے پاس جاؤ۔ شاید کسی کے پاس ہو اور وہ تمھیں دے دے یا مہربان ہو کر کوئی صحیح راستہ بتا دے۔

لیکن سوچ لو کہ یہ لباس اگر کہیں سے مل بھی گیا تو اس کی قیمت بہت زیادہ ادا کرنا پڑے گی۔

عورت ماں ہے ----- عورت بہن ہے ----- عورت بیٹی ہے اور عورت ----

Marfat.com

لیکن اس نے میری بات ٹوک دی اور کہا:

چھوڑ یار---- یہ رشتے اب ختم ہو چکے ہیں۔ عورت آج تو سربراہ ہے، داشتہ ہے، محبوبہ ہے، دل کے بہلانے کا سامان ہے، نمائش ہے--- اور---

نہیں! عورت کو یہ الزام نہ دو--- اگر مجرم ہے تو مرد ہے--- جس نے عورت کو غلط راستے پر لگا دیا ہے--- ورنہ عورت کے قدموں میں تو جنّت ہے---

وہ عورت---- اس وقت ماں تھی جب اپنی اولاد کو گود کی حدت دیتی تھی۔ انھیں اپنے سائے میں پالتی تھی۔ اب تو پیدا ہوتے ہی بچوں کو دوسروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے--- بہن تب تھی---- جب وہ بھائی کی لج پت--- نہیں بلکہ خاندان کی عزت اور شرافت، اس کے سر سے قائم تھی۔ تبھی تو بھائی اونچے شملے کر کے یہ کہہ سکتے تھے کہ میری عِصمت پر آج تک سورج نے بھی میلی نظر نہیں ڈالی--- لیکن اب تو بہن نے اپنے دوپٹے کو اتار کر اسے اپنی خود مُختاری کا جھنڈا بنا لیا ہے۔

اس وقت بیٹی تھی جب وہ ماں باپ کے دکھوں میں شریک تھی۔ ان کی محبت اور شفقت سے ڈولی میں بیٹھ کر گھر سے نکلتی اور پھر ساس، سسر کو ماں باپ کی جگہ پر تسلیم کرتے ہوئے کندھوں پر ہی باہر نکلتی۔ اور اب---- اب تو نہ جانے بچپن سے ہی کیسی سوچیں ذہن میں لے کر گھر سے نکلتی ہے۔

وہ عورت جس کے قدموں میں جنّت تھی، اس دور میں کم ہی نظر آتی ہے، ورنہ آج بھی طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم جیسے عظیم لوگ پیدا ہو سکتے ہیں۔

ہم نے عورت کو اس کا مقام بھی تو نہیں دیا ناں---

وہ آزادی چاہتی تھی جو اس کو مل گئی لیکن مجھے نہ تو ان کی آزادی کا مفہوم سمجھ میں آیا اور نہ ہی اس کامیابی کا۔ اب ہم بی اماں جیسی ماں کہاں سے لائیں جو مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کو جنم دے۔ کیا علامہ اقبال کی ماں کو کبھی ایسی آزادانہ محفلوں میں

Marfat.com

دیکھا گیا تھا۔ کیا قائدِ اعظم کی ماں سیاست کے میدان میں کبھی اتری تھی۔ کیا بہادر یار جنگ کی ماں کو کسی نے کبھی غیر محرموں سے ہاتھ ملاتے دیکھا تھا--- یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ایسے سپوت پیدا کیے۔

کسی نے کہا تھا کہ عورت افلاطون پیدا تو کر سکتی ہے لیکن جب خود افلاطون بننے کی کوشش کرے یا بن جائے تو پھر افلاطون پیدا نہیں کر سکتی۔

ہم تو آج بھی اس ماں کی تلاش میں ہیں جو افلاطون پیدا کرے۔ لیکن افسوس کہ عورت نے میدان میں اتر کر اپنی نسائیت، تقدس، عورت پن، عزت، وقار اور جنت کا مقام گنوا دیا۔

اب بتاؤ میں وہ گم شدہ جنت کہاں سے ڈھونڈوں۔

نہیں --- نہیں ---- یہ --- یہ بات --- اچھا چھوڑ دیار اس موضوع کو---- کوئی اور بات کرو۔

نوجوان نسل کو ہم کیوں موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ ان کو برا بھلا کہنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم انھیں کیا دے رہے ہیں---- ماحول، معاشرہ، والدین، اساتذہ، نظامِ تعلیم، --- اور اس سے بڑھ کر حکومت۔--- یہ سب مل کر انھیں کیا دے رہے ہیں--- نوجوان تو ایک کمپیوٹر ہے۔ اس میں جو فیڈ کرو گے وہی سکرین پر دیکھو گے۔ ہم اعتراضات اور الزامات پر تو ہر لحہ کمر بستہ ہیں لیکن اپنے اندر جھانک کر کبھی نہیں دیکھا کہ ہم جنھیں مسلمان بنانا چاہتے ہیں ان کو اسلامی روایات، اصول اور اسباق از بر بھی کرا رہے ہیں یا نہیں---- جنھیں ہم انسان دیکھنا چاہتے ہیں انھیں انسانیت سکھا بھی رہے ہیں یا نہیں---- جنھیں ہم ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں، کیا ہم انھیں ترقی کی راہ پر گامزن بھی کر رہے ہیں یا نہیں؟

Marfat.com

ہم انھیں اسباق تو غیر اسلامی پڑھا رہے ہیں اور دیکھنا عہدِ صالحین کا سا مسلمان چاہتے ہیں ----- ہم انھیں ماحول تو انسانیت سوز دے رہے ہیں اور خواہش ہے کہ وہ اچھے انسان بنیں ----- ہم انھیں دکھا تو تنزلی کی راہ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ ترقی کی منازل طے کریں --- ہم انھیں علم و عمل سے دور رکھ کر انھیں عالم و عامل دیکھنا چاہتے ہیں۔

الغرض ! ہم ہر میدان میں منفی کے بدلے مثبت کردار کے خواہش مند ہیں۔ جو ناممکن ہے۔

بھائیو! بہتری کرو گے تو بہتری پاؤ گے --- عزت کرو گے تو عزت پاؤ گے --- زمین میں جَو بیج کر گندم کی فصل اگانے کی آرزو عبث ہے۔ گندم بوؤ گے اور بہتر بیج ڈالو گے تو بہتر گندم اُگے گی --- آپ جب نیک نیتی سے نیک خواہشات کی تکمیل کے لیے نیکی کریں گے تو اللہ رب العزت بھی حامی و ناصر ہو گا۔

بابا جی! اب زمانہ بہت خراب ہو گیا ہے۔ اور اس نے ہی ہم لوگوں ---- یعنی نئی جنریشن کو بگاڑ دیا ہے۔

ناں پتر ! سوچ --- زمانہ کیا ہے؟ تو اور میں ہی تو زمانہ ہیں ----- ہم سب مل کر زمانہ بناتے ہیں اور اسے چلاتے ہیں ---- جب ہم ہی زمانہ ہیں --- تو پھر یہ الزام ہم کسے دے رہے ہیں۔

نہیں بابا جی ! اگر زمانہ ٹھیک ہوتا تو ہم لوگ اتنے برے نہ ہوتے۔

پتر ! گل سن ! آج سے تقریباً اڑتالیس برس پہلے کا ایک واقعہ ہے۔ تب میں بھرپور جوان تھا۔ پچیس، چھبیس ورہے میری عمر ہو گی۔ ابھی تک میرا بیاہ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں ایک دن گھوڑے پر دوسرے گاؤں جا رہا تھا۔ راستے میں مجھے ایک بوڑھا شخص

Marfat.com

ایک جوان خوبصورت لڑکی کے ساتھ کھڑا ملا۔ نہ میں انھیں جانتا تھا اور نہ وہ مجھے۔

وہ بزرگ مجھ سے پوچھنے لگے : "بیٹا کہاں جانا ہے؟"۔

جی ! یہ ساتھ والے گاؤں میں جانا ہے۔ کوئی چھ میل آگے۔

بیٹا ! یہ میری بیٹی ہے' اسے ساتھ لیتے جاؤ۔ اسے اسی گاؤں کے فلاں گھر میں پہنچا دینا۔

میں نے اس مٹیار کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھالیا۔۔۔ آپ یقین کریں' اس وقت مجھے عورت اور مرد کے تعلقات کا علم نہیں تھا۔ اس بوڑھے شخص نے مجھے بیٹا کہا' اور بیٹی کو منزل تک پہنچانے کا کام ذمہ لگایا' تو میں نے اسے بہن سمجھ کر اس کے گھر تک پہنچا دیا۔

آج میری عمر تقریباً چوہتر برس ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ آج جب میں کسی جوان خوبصورت عورت کو دیکھتا ہوں تو نجانے میرے ذہن میں کیسے خیالات اُمڈتے ہیں۔ آج میر سوچ وہ نہیں جو جوانی میں تھی۔

تو اب بتاؤ بیٹا۔۔۔۔ زمانہ خراب ہے یا ہمارے ذہنوں میں گندگی بھر گئی ہے

۔۔۔ بیٹا ! یہ سب ہمارے ذہنوں کا فتور ہے۔۔۔ زمانہ خود تو کچھ بھی نہیں۔

اور میں باباجی کے مُنہ کی طرف عجیب نظروں سے دیکھنے لگ گیا۔

میرے بڑے بیٹے کی عمر اس وقت چھ سال ہے۔ وہ میرے ساتھ جُمعہ کی نماز پڑھنے مسجد میں جاتا ہے۔ جب مسجد سے نکلتے ہیں تو وہ مُجھ سے پہلے نکلتا ہے۔ میری جوتیاں سیدھی کرکے میرے سامنے رکھتا ہے تو مجھے اپنے والد مرحوم یاد آجاتے ہیں۔

میں جب ان کے ساتھ نماز پڑھنے جاتا تھا تو بالکل اسی طرح ان سے پہلے باہر نکل کر جوتی ان کے پاؤں میں پہناتا تھا۔

Marfat.com

میرے بیٹے نے وہ منظر نہیں دیکھا۔ لیکن پھر بھی ایسا ہی کرتا ہے، جیسے میں کیا کرتا تھا۔ آخر ع

سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

ایک محاورہ ہے: ''کرنی سو بھرنی''۔

ہمیں بزرگوں سے بھلائی، عزت اور احترام سے پیش آنا چاہیے۔ ان کی خدمت کرنا چاہیے۔ ہماری آنے والی نسلیں خود بخود وہی وطیرہ سیکھ جائیں گی۔

کسی بھی مُشکل کو حل کرنے کے لیے چاہیے تو یہ----- کہ اس مُشکل کے سامنے خود ایک مُشکل بن جاؤ----- آسانی سے وہ مُشکل حل نہیں ہوگی۔ بلکہ مزید پیچیدہ ہو جائے گی۔

سفر اختیار کرنے سے پہلے منزل کا تعین ضروری ہے۔ جب تک منزل کا نشاں نہیں ہوگا، آگے بڑھنا بے سود ہے۔ انسان کسی مقصد یا منزل کو سامنے رکھ کر آگے بڑھ سکتا ہے۔ اگر اس کے برعکس ہے تو راستے میں بھٹکنے کے سوا چارہ نہیں۔ منزل کا پتا ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم ناکام اسی وجہ سے ہو جاتے ہیں کہ ہمارے سامنے مستقل منزل نہیں ہوتی۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ انسان کو جو جذبے منزل تک پہنچانے میں مد ثابت ہوتے ہیں وہ ہیں شوق، مجبوری یا محرومی----

اللہ تعالیٰ آپ کو محرومیوں سے محفوظ رکھے۔ شوق کو اپنا رہنما بنائیے اور منزل کی جانب چل پڑیے----- بس پھر کامیابی خود چل کر آپ کے پاس آئے گی۔

فوری طور پر کیا گیا فیصلہ ٹھیک ہو سکتا ہے لیکن اتنا وقت ضرور لیجیے کہ اس پر

Marfat.com

دوبارہ غور کر سکیں۔ ممکن ہے عجلت میں کیا گیا فیصلہ جذباتی ہو اور جذباتی فیصلوں پر اکثر اوقات بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔

بچپن میں ایک دفعہ میں پڑوس میں ایک گھر کے صحن سے گزر رہا تھا۔ چارپائی پر ایک شخص بیٹھا روٹی کھا رہا تھا، اور ساتھ ہی زمین پر دودھ کا بھرا ہوا گلاس رکھا تھا۔ میں بھاگتے ہوئے اسے نہ دیکھ سکا، جس سے وہ میرے پاؤں کی ٹھوکر سے گر گیا----- مجھے کسی نے کچھ کہا تو نہیں لیکن مجھے خود بہت محسوس ہوا۔ اور تب سے آج تک میری کوشش رہی ہے کہ چلتے ہوئے زمین کی طرف دیکھ کر چلوں۔ حالانکہ اکثر مجھے علم ہوتا ہے کہ یہاں ایسی کوئی شئے موجود نہیں-----

میرے خیال میں زمین پر نگاہ رکھ کر چلنے سے نہ صرف ٹھوکر سے آدمی بچ جاتا ہے، بلکہ رینگتے کیڑے مکوڑے بھی نظر آتے ہیں اور مزید یہ کہ زمین سے ازلی و ابدی رشتہ قائم رہنے کا احساس رہتا ہے۔

کیا ہے تری تخلیق کا مقصد، کبھی شاکر
فرصت ہو تو اس پر بھی ذرا سوچ لیا کر

جہاد کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے --- عزت و آن سے زندہ رہنے، اسلام کی بقا، فروغ اور اسلامی حدود کے تحفظ کے لیے اسے لازمی قرار دیا ہے۔ لیکن ہم نے اسے --- پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کی طاقتیں مُسلمانوں کو مٹانے پر تلی ہیں اور ہم ان کے قدموں کو چاٹ رہے ہیں۔ جب تک ہم جہاد کو اپنے اوپر لاگو نہیں کر لیتے، تب تک ہم عزت و وقار سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ زندہ رہنے کے لیے

Marfat.com

ہمیں واپس پلٹنا ہوگا۔

ایک آدمی مرجاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے اور حقیقت بھی اٹل۔ جس سے مفر نہیں ---- پر جب ضمیر یعنی آدمی کے اندر کا انسان مرجائے تو انسانیت مرجاتی ہے۔ جو دنیا میں سب سے بڑے دکھ کی بات ہے۔

مجھے یاد ہے بلکہ ابھی تو کل کا واقعہ ہے ---- نہیں ---- واقعہ نہیں بلکہ حادثہ ہے۔ جب ۱۹۶۵ء کی جنگ کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوا تھا --- ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے جب شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو کھول کر V بنائی تو اس کے ساتھ ایک خطرہ بھی محسوس کیا، وہی خطرہ جو پہلے بھارت کو پاکستان سے تھا، اب اسرائیل کو بھی پاکستان کھٹکنے لگا۔ اس نے پاکستان کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اس قوم کے اندر کے انسان کو ---- یعنی مسلمان کو ---- اسلام کے دلدادہ کو ---- عقیدت کو ---- ایمان کو ---- دین کو ---- اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی اکرمؐ کی رسالت پر یقین و اعتماد کو ---- محبت کو ---- اخوات کو ---- مور دو۔ ملی جذبے کو ختم کردو، اور اسے مادیت کی طرف دھکیل دو۔ پوری قوم اپنی موت آپ مرجائے گی۔ پھر ایک بہت بڑا منصوبہ بنایا گیا۔

۱۹۷۱ء میں ہمارے بازو کو کاٹ دیا گیا۔ لیکن ہم اسے سمجھ نہ سکے اور نہ ہی سنبھل سکے ---- اسلام دشمن قوموں نے اپنا کام جاری رکھا، اور ہم ---- اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وہ پہنچانا چاہتے تھے ---- ہمارا اخلاق تباہ ہو گیا ہے۔ ہمارے اندر کا انسان مرچکا ہے ---- اب ہمیں کوئی ایسی آواز سنائی نہیں دیتی جو بھلائی اور بہتری کی طرف لے جانے والی ہو ---- اور یہی انسانیت کی موت ہے ----

آؤ! ہم راکھ کو ٹٹولیں، شاید کوئی چنگاری ابھی موجود ہو جس سے ہم جذبوں، عقیدتوں، محبتوں اور انسانیت کی آگ کو روشن کرسکیں۔ آگ جو صرف جلانے کے کام

Marfat.com

نہیں آتی روشنی بھی دیتی ہے۔ لیکن اس کے لیے شاید ہمیں اپنے ماضی کی طرف پلٹنا پڑے۔

بیری کے کانٹوں پر نظر رکھو گے تو تمھیں بیری سے بھی نفرت ہو جائے گی اور بیری کو دیکھو کہ جو پتھر کھا کر بھی آپ کو بیر دیتی ہے۔ پتھر کے جواب میں اس نے کبھی کانٹے آپ کی طرف نہیں اچھالے۔

میں موٹر سائیکل پر ایک گلی کا بلائنڈ ٹرن لے رہا تھا۔ میری عادت ہے کہ یا تو موٹر بائیک کو ڈیڈ سلو کر لیتا ہوں یا رک کر دیکھ کر مڑتا ہوں۔ میں موڑ مڑتے ہوئے رک گیا۔ مخالف سمت سے موڑ مڑتے ہوئے ایک موٹر سائیکل سوار نے تیزی سے ٹرن لیتے ہوئے موٹر سائیکل میرے موٹر سائیکل میں آمارا۔ میرے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ ٹوٹ گئی اور انڈیکیٹر بھی۔

مخالف سمت سے آنے والے شخص کے چہرے پر خفگی کے آثار نمایاں ہوئے۔

میں مسکرادیا، اور اسے اتنا کہا کہ :

میرے بھائی ! اگر ہم قانون کا احترام کرنا سیکھ لیں تو قانون کو ماننا بھی سیکھ جائیں گے۔۔۔۔۔۔ لیکن جب ہم اس کا احترام نہیں کرتے تو تسلیم کی بھی نفی کرتے ہیں۔

وہ اپنا سر جھکا کر ساری (Sorry) کہنے لگا۔

مجھے بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ میرا جو تھوڑا بہت نقصان ہوا تھا، یہ اس فائدے سے بہت کم تھا جو ایک انسان کو اس کی غلطی کا احساس دلا گیا۔

نی بھیڑیے ! تم نے تو اپنی عزت ہی گنوا دی ---- تمھیں یوں سڑکوں پہ ----

Marfat.com

سر سے چادر اتار کر۔۔۔۔ سینہ تان کر پھرتے ہوئے دیکھ کر مجھے شرم آرہی ہے۔

نی اڑیے ! تھیں کیا پتا؟ تم تو مرد کی غلام ہو کر بیٹھ گئی ہو۔ تھیں کیا علم کہ مردوں کے ساتھ گھومتے اور انھیں کندھا مار کر گزر جانے میں کتنا مزا آتا ہے۔

نابھئی ! ہمیں تو یہ بے شرموں کی طرح۔۔۔۔ ذرا بھر بھی اچھا نہیں لگتا۔

تھیں تو آج سے صدیوں پہلے جنم لینا چاہیے تھا۔ نجانے اس دور میں۔۔۔۔ ماڈرن دور میں کہاں سے اتر پڑی ہے۔

نی ! تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ ہمارے دین نے بے پردہ نکلنے، بے شرموں کی طرح پھرنے، اور بے حیائی کا مظاہرہ کرنے پر کتنی پابندی لگا رکھی ہے۔

یہ سب گزرے وقتوں کی باتیں ہیں۔ اب نیا زمانہ ہے، اور اس کے نئے تقاضے ہیں۔ دین، مذہب تو ایک دیوار تھا جو اب رکاوٹ نہیں رہی۔ اسی میں عزت ہے؛ شہرت ہے۔۔۔۔

سب کچھ ہوگا۔۔۔ پر۔۔۔۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی پردہ پر۔۔۔۔ شرم پر۔۔۔۔ حیا پر زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں واضح ارشاد فرمادیا ہے۔۔۔۔ اور میں تو یہی کہوں گی کہ اگر عورت کی عزت اور اس کا عورت پن محفوظ ہے تو گھر کی چار دیواری میں، حسن ہے تو چادر میں، شہرت ہے تو خاوند کی خدمت میں۔ اور دولت ہے تو اولاد کی شکل میں۔ اس کی اچھی تربیت میں۔۔۔۔ مجھے یہ لوگوں کی آنکھوں کے تیروں سے چھلنی، بھٹکتی پھرتی اور عزت کو سرِعام رسوا کرتی عورتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔

جانی جا، ۔۔۔۔ بڑے مولویانیے۔۔۔۔ یہ وعظ اور نصیحتیں کہیں اور جا کر جھاڑ۔ تیری چادر۔۔۔۔ اور چار دیواری غلامی کا نام ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ تھیں ہی نصیب کرے۔ ہمیں سکھ کا سانس لینے دو۔

Marfat.com

لیکن جب وہ گھر گئی تو سوچنے لگی کہ ---- آج میری عزت کہاں ہے ---- میری عصمت کہاں ہے۔ میری دولت کہاں ہے --- یہ ---- یہ کہیں ----؟

ہم اپنے آپ کو مُسلمان کیوں نہیں کہتے۔ شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، مُعتزلہ، اسماعیلی، پرویزی، چکڑالوی وغیرہ کہلوانا کیوں پسند کرتے ہیں۔ جب ہم نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہہ دیا تو ایک جسم کا حصہ بن گئے۔ توحید و رسالت ہی ہمارا دین ٹھہرا ---- پھر یہ اختلافات کیوں؟ ---- ایک خدا، ایک رسُول اور ایک قرآن کے ماننے والے بکھر کیوں گئے ہیں؟ جس شہ رگ سے بھی نزدیک پیدا کرنے والا موجود ہے اسی شہ رگ کو کاٹنے لگے ---- دشمن ایک ایک کر کے ہمارے سب اعضاء کاٹ رہے ہیں اور ہمیں درد تو درد ---- احساس بھی نہیں ہو رہا۔ کیا جسم کا کوئی عضو اتنا بے حس بھی ہو سکتا ہے ---- ہمارے اعضاء مفلوج تو نہیں ہو گئے ---- اگر ایسا ہے تو اس کا علاج ضروری ہے۔

دیکھیے ---- غور کیجیے ---- علاج کیا ----؟

اسلام کی خوراک پوری پوری ملنا ہی علاج ہے۔ تاکہ تمام اعضاء کو طاقت بھی پہنچے اور وہ کام شروع کر دیں ---- اور ایک ہی جسم بن کر مُسلمان کہلوائیں ---- مُسلمان اور صرف مُسلمان ----

ناکامی کو تسلیم کرتے ہوئے اگر کامیابی کا راز تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ وقت ضرور آتا ہے کہ آدمی کامیابی کی منزل پا لیتا ہے ---- کیونکہ جب ہم رات کو رات مانیں گے تب ہی صبح سے ہمکنار ہو سکیں گے۔

Marfat.com

گدھے نے شیر کی کھال پہنی تب بھی پہچانا گیا۔ اگر کھال اوڑھنے سے پہلے وہ شیر جیسی آواز نکالنا، اور اس جیسی حرکات سیکھ لیتا تو شاید اس کا انجام مختلف ہوتا ------
لیکن اس کے لیے وہ عقل کہاں سے لاتا۔ کیونکہ خدا نے اسے وہ عقل تو دی ہی نہیں جو انسان کو عطا کی ہے۔ چونکہ ہم انسان ہیں۔ اس لیے غور ہماری انسانیت کا حصہ ہے۔

وہ ہے نا! قائد اعظم سے کسی نے کہا: تمھارا لباس، تمھاری زبان، تمھارا رہن سہن انگریزوں سا ہے اور تم نکلے ہو برصغیر کے مُسلمانوں کو آزادی دلانے ------ جو ان سے بالکل مُختلِف ہے ----

آپ نے جواب دیا:
مجھے انگریز کے اندر گھس کر اور ان جیسا ہو کر ہی یہ کام کرنا پڑے گا، تب ہی منزل تک پہنچ پاؤں گا۔

اور پھر ------ ہم نے دیکھا کہ قائد اعظم نے آزادی کے بعد قومی لباس بھی پہنا، اور قومی زبان بھی سیکھی۔

اس وقت (۲۰۰۱ء) پاکستان اور بھارت دشمنی کے جس دہانے پر کھڑے ہیں، اگر جنگ ہوتی ہے تو ہندو مت ختم ہو جائے گا۔ جب کہ اسلام تو دنیا کے کونے کونے میں موجود ہے، وہ باقی رہے گا ------ لیکن یہ بات حکمرانوں کو سمجھائے کون؟ بھارت لڑنے سے باز نہیں آرہا، اور پاکستان اس کے لیے تیار نہیں۔

صحیح راستے سے اوپر جاؤ گے تو وقت پر اترنے کے لیے تمھیں صحیح راستے کا علم ہو گا، وگرنہ ایسا نہ ہو کہ سیڑھیوں سے لاعلمی کی بنا پر کھڑکی سے چھلانگ لگانا پڑے ----

Marfat.com

پھر پتا ہے کیا ہوگا۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ آپ شاید یہ جاننے یا انجام دیکھنے کے لیے موجود نہ ہوں۔

غالباً مصطفیٰ کمال پاشا نے کہا تھا کہ: "سونے کے تاج سے نہیں لوہے کی تلوار سے حکومت کی جاتی ہے"۔

نپولین نے کہا تھا: "بالآخر ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دماغ تلوار کو فتح کرلیتا ہے"۔

بات جب ملکوں کو فتح کرنے کی ہو تو تلوار ضروری ہے۔ لیکن بات جب ملک کو چلانے کی ہو تو دماغ۔ لہٰذا جس موقع پر تلوار کی ضرورت ہو تو اس سے کام لینا چاہیے اور جب دماغ کی ضرورت ہو تو تلوار کو میان میں رہنا چاہیے۔ لیکن۔۔۔ بہرحال۔۔۔۔ نپولین نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

in the end Sword is always Conquered by the mind

جو لوگ سوچتے ہیں کہ جب اسی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں، وہ امر ہو جاتے ہیں۔۔۔۔ لوٹ جانے کے سفر میں بھی ان کا راج ہوتا ہے، اور لوٹ جانے کے بعد بھی۔۔۔۔۔ لیکن اگر ہر شخص یہی سوچ اور اس پر عمل پیرا ہو جائے تو کاروبارِ زمانہ میں تعطل پیدا ہو جائے۔ اس لیے سوچ دینے والا یہ سوچ کسی کسی کے ذہن میں ڈالتا ہے۔ کیونکہ اُسؑ نے ہر کام وقت مقررہ پر کرنا ہے۔

Marfat.com

غلطی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جس سے سبق حاصل کیا جائے، اور دوسری بار نہ ہونے پائے ---- دوسری غلطی وہ جو دوسری بار بھی سرزد ہوجائے۔ یعنی ایک تو غلطی والے تجربے کو فضول سمجھتے ہوئے نظر انداز کردیا۔ دوسرا اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ یوں پہلی قسم کو ہم غلطی کے زمرے سے خارج کرکے سبق کا نام دے سکتے ہیں، جب کہ دوسری قسم --- بہرحال غلطی ہے۔

ایک سپاہی کار پر آرہا تھا۔ وہ کینٹ ایریا میں تھا، اور لیٹ ہونے کی وجہ سے گاڑی اوور سپیڈ میں چلا رہا تھا۔ جنرل فالح نے اس کو اوورٹیک کیا ---- روکا ---- جرم بتایا، اور قاضی کے سامنے پیش ہونے کا حکم صادر فرمادیا۔ جب دونوں وہاں حاضر ہوئے تو سپاہی نے کہا: مجھے اپنے جرم کا اقرار ہے۔ میں واقعی گاڑی تیز چلا رہا تھا۔ سپیڈ لیمٹ ۱۲۰ کلومیٹر ہے۔ میری رفتار اس سے زیادہ تھی۔ لیکن حضورِ والا! جس شخص نے مجھے اوورٹیک کیا، اور آگے نکل کر روکا، اس کی رفتار تو مجھ سے بھی زیادہ تھی۔ اسے بھی تو سزا ملنی چاہیے۔ اور پھر قاضی نے دونوں کو جرمانے کی سزا کا فیصلہ دے دیا۔

اور پھر میں نے دیکھا ---- کہ ایک دن کچھ سپاہی ریکریشن روم میں بیٹھے تھے، قہوہ کا دور چل رہا تھا، قہقہے لگ رہے تھے۔ میں گزر رہا تھا کہ زاہد البکری (میرے ایک جاننے والے سپاہی) نے مجھے اندر بلالیا ---- میں نے سب کو سلام دیا، اور قہوہ کا کپ لے کر گپ شپ میں شامل ہوگیا۔ وہاں جنرل فالح بھی بیٹھے تھے اور ہنسی مذاق اور بات چیت سے یہ کسی صورت بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ سپاہیوں کے درمیان کوئی جرنیل بھی براجمان ہے ---- کیا پاکستان میں یہ ممکن ہے؟

Marfat.com

ہاتھوں کی ان لکیروں میں نجانے کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔
کہتے ہیں کہ یہ لکیریں قسمت کا حال تک بتا دیتی ہیں۔ پوری زندگی کے راز ان میں چھپے ہوتے ہیں۔ لوگ ان سے اولاد، بخت، شادی، دکھ اور زندگی کے بارے پوچھتے رہتے ہیں۔
ایک دن --- جی ہاں ایک دن --- میں نے ایک مٹتی ہوئی لکیر سے کچھ پوچھا۔ اس نے میرے کان میں ایک بات کہی۔ اگر کچھ سیکھنا ہے، کچھ کمانا ہے، عزت کی خواہش ہے، کچھ حاصل کرنا ہے، تو پھر گھوم پھر کر دنیا کو دیکھ۔ ایک جگہ پر بیٹھ مت جا۔ جس جگہ پر کوئی کمی دکھائی دے، وہاں سے آگے نکل جا۔ آج یہاں --- کل وہاں، سب کچھ پالو گے۔

نواب صاحب عمر کے ستر کے پیٹے میں تھے اور یہ ان کی دوسری شادی تھی۔ ان کے پوتوں کی عمر بھی اس نوبیاہتا عورت سے زیادہ تھی۔
جب تک نواب صاحب زندہ رہے وہ دلہن بنی رہی، بلکہ بنتی رہی۔ نواب صاحب کی آنکھیں بند ہوتے ہیں اس عورت کو گھر سے نکال دیا گیا۔ کیونکہ وہ ایک کمی کمین خاندان سے تھی، اور نوابی کی مخملیں چادر پر ٹاٹ کا پیوند تھی۔ اور اب نواب بدل چکے تھے۔
دلہن بے چاری ایک چھوٹی سی بچی کو چھاتی سے لگائے بھٹکنے لگی۔ جب تک جوانی رہی عزت بچتی رہی۔ جوانی ڈھلی، بیٹی کی عزت داؤ پر لگادی۔ لیکن بیٹی نے اسے دھتکار دیا، اور پھر --- ہم نے اسے سڑکوں پر بھیک مانگتے دیکھا۔
واہ رے نوابو! جو ایک بے سہارا عورت کو دو وقت کا کھانا بھی نہ دے سکے۔ جو اپنی عزت کو بازار میں بیٹھا دیکھ کر بھی نواب ہی رہے۔ اور واہ رے اُونچے محلوں کے

Marfat.com

خواب دیکھنے والی بے بس عورت ۔۔۔۔

کیا وجہ ہے کہ سترھویں گریڈ کی ملازمت پر لیکچرار کے چناؤ کے لیے ماسٹرز کی ڈگری ہونا ضروری ہے۔ جب کہ بیوروکریٹ گریجوایٹ بھی ہو سکتا ہے اور ان کے برعکس اس گریڈ کے لیے فوج میں انٹرپاس کا چناؤ بھی ہو جاتا ہے۔۔۔۔ دراصل گریڈ میں بات تعلیم کی نہیں کام کی نوعیت کی ہے۔ لیکچرار نے پڑھے لکھے اور مہذب لوگ پیدا کرنے ہیں۔ بیوروکریٹ نے انتظامی امور میں اپنا کردار ادا کرنا ہے، جب کہ لیفٹیننٹ نے محاذِ جنگ پر اپنے فرائض ادا کرنے ہیں۔ گو سہولیات لیکچرر کے پاس کم ہوتی ہیں، لیکن معاشرے میں اس کا کردار سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ تو ہمیں چاہیے کہ اس کے کام کے حوالے سے اس کی عزت بھی سب سے زیادہ کریں۔

ہماری حکومت، ہماری سیاست، ہماری عوام، ہمارے با اختیار صاحبان، ہماری قانون ساز اسمبلی ہر وقت کی ناکامی اور اس میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں۔ اس کو بہتر بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن یہ بھی کسی نے نہیں سوچا کہ ان کے نئے نئے قانون بنانے سے ان میں ترامیم سے کیا حقیقی قانون بدل سکتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے قانون میں بہتری لائی جا سکتی ہے؟۔۔۔ نہیں ۔۔۔ کبھی نہیں ۔۔۔۔ تو پھر کیوں نہ ہم اپنے قانون کو خدا کے بنائے ہوئے قانون میں سے حاصل کریں ۔۔۔ اسی قانون کو لے کر آگے بڑھیں ۔۔۔ اس ذاتِ پاک نے قرآن مجید کی صورت میں ہمیں جو تحریری قانون عطا فرمایا ہے، کیا اس میں کوئی کمی ہے؟ ۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔ نہیں ۔۔۔ جب نہیں، تو پھر نیا قانون کیسا؟

آؤ اسے ہی مضبوطی سے تھام لیں اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائیں ۔۔۔۔۔

Marfat.com

یونہی، بے ذندہ نئے قوانین کے بارے نہ سوچتے رہیں ---- جو وقت نئی فضولیات پر صرف کرنا ہے وہی وقت قرآن پر عمل کرنے میں صرف کریں۔ ان شاء اللہ کامیابی ہمارے قدموں میں ہوگی۔

جن دنوں میں نوشہرہ کینٹ میں تھا تو دوستوں کے ساتھ کبھی کبھار ایک چھوٹے سے ہوٹل میں چائے پینے جایا کرتا تھا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں دیوار کے ساتھ ایک تختی آویزاں تھی جس پر لکھا تھا:

"یہ گھڑی بھی گزر جائے گی"۔

آج تیس سال گزرنے کے بعد بھی میں وہ تختی نہیں بھول پایا، بلکہ ہر لمحہ وہ میرے ذہن پر لٹکتی رہتی ہے ---- لیکن میں اسے ہر لمحہ پڑھنے کے باوجود بھی اس گھڑی میں کچھ نہیں کرپاتا، اور وہ گھڑی چپکے سے گزر جاتی ہے ---- آپ میری طرح سوچتے ہی نہ رہیے، بلکہ اُس گزرتی گھڑی میں کچھ کیجیے ---- خالی سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ کچھ کرنے سے کچھ ہوگا۔

رشک کیجیے، حسد نہیں۔ رشک کرنے سے آپ کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوں گی۔ انھیں نمو ملے گی اور پھر---- آگے سے آگے کے مواقع پیدا ہوں گے۔ لیکن حسد سے آپ کی تمام قوتیں پیچھے کا سفر شروع کردیں گی۔ آپ کی تمام صلاحیتیں منفی رخ پر چلنے لگیں گی۔ آپ کی تمام سوچیں ایک ہی منظر پر مرتکز ہوجائیں گی اور تمام تعمیری پہلو مُنتشر ہوجائیں گے۔ آپ آگے جانے کی بجائے سلپ (Slip) ہوتے رہیں گے اور پیچھے ہٹتے رہیں گے، حتی کہ کسی کھائی یا کھڈ میں جا گریں گے۔

Marfat.com

ہندوؤں کے خدا زیادہ ہیں، اور مُسلمانوں کا ایک۔ یوں تناسب کے لحاظ سے ہندو زیادہ خداؤں سے ڈرتے ہیں، جب کہ مُسلمان صرف ایک خدا سے۔ یہ چیز ہمارے لیے فائدہ مند ہے کہ ہم اس حوالے سے اتنے ڈرپوک نہیں ہو سکتے جتنے ہندو ---- پھر کیا وجہ ہے کہ ہم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کی جانب ہٹ رہے ہیں۔ تناسب کو قائم رکھیے اور ایک سے ہی ڈریے۔ ہزاروں، لاکھوں یا کروڑوں سے نہیں۔ ہزاروں، لاکھوں سے ڈرنے والا تمھارے قدم چاٹے گا، اور ممکن ہے تمھیں بھی ایک دن اپنا دیوتا تسلیم کر لے۔

آج سے ہم اس حویلی کے باہر ایک دوسرے کے پکے دشمن ہیں۔ تم جتنا ہو سکے میرے خلاف بیان دو، میری برائیاں بیان کرو (لیکن کردار یا ذاتی نہیں، صرف سیاسی) لوگوں کو بتاؤ۔ بلکہ پریس کانفرنسز بلاؤ اور خوب خوب میرے خلاف زہر اگلو۔ اور ---- اسی طرح میں تمھارے خلاف سیاسی بہتان تراشوں گا۔

بھائی جان! وہ کس لیے ---- ہم تو ایک ہیں۔ ایک باپ اور ماں کے جائے ---- ہماری رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے ---- پھر یہ کس لیے۔

میرے ویر ---- تم بہت بھولے ہو۔ ہم دونوں سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔ ذرا سمجھا کرو۔

میں جب جھریاں بھرے چہرے والے ایک شخص کو دفتر کی دیوار کے سہارے لٹکا دیکھتا ہوں تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ میرے دل سے دعا نکلتی ہے ---- میں سوچتا ہوں، یہ کمزور، علیل، یہ ناتواں وجود، اتنی ہمت والا، مستقل مزاج، طاقتور اور

Marfat.com

جرأت مند کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا یہ اکیلا اتنی دشمنیاں پالنے کی استطاعت رکھتا ہے ---- تو پھر --- میرے اندر سے ایک آواز ابھرتی ہے ---- اس نہتے، لاغر اور بیمار چہرے بشرے کو مت دیکھ۔ یہ جو کچھ ہمیں ملا ہے سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اس نے ہمیں یہ تحفہ دیا ہے۔ اس نے کسی کے ہاتھوں سے یہ تحفہ بہر حال دینا تھا، اور وہ ان نحیف ہاتھوں سے عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے تھے کہ: میں چڑی سے باز مروا سکتا ہوں --- ابابیلوں سے ہاتھیوں کو ختم کرا سکتا ہوں۔ میں محمد علی جناح جیسے کمزور اور لاغر بندے کے ہاتھوں پاکستان جیسا ملک بنوا سکتا ہوں۔

یہ ایک امانت ہے۔ اس کو سنبھالنا، آنے والی نسلوں کا کام ہے ---- پر ہم اس میں خیانت کر رہے ہیں۔ کاش کہ ہم اب بھی سمجھ جائیں۔

جمہوریت کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو میں بہت سوچنے کے باوجود نہیں سمجھ سکا۔

کیا چند غنڈوں کو --- نا تجربہ کار لوگوں کو --- وطن دشمن شخصیات کو ---- پیسے کی طاقت کے بل پر منتخب ہو کر اسمبلی میں آنے والے وڈیروں کو حکومت چلانے کا اختیار دینا جمہوریت ہے؟

کیا ---- کچھ ذہنی طور پر ناپسندیدہ لوگوں کو --- عوام پر مسلط کرنا جمہوریت ہے؟

اسلامی معاشرے میں اِسلام سے نابلد یا اِسلام مخالف طبقے کو جعلی ووٹوں کی مدد سے سامنے لانا جمہوریت ہے

تو پھر --- وہ دور تو بالکل ہی غیر جمہوری تھا ---- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خلیفہ منتخب ہونا ---- حضرت عمرؓ کا نامزد ہونا --- حضرت عثمانؓ کو صرف چھ ہستیوں

Marfat.com

میں سے منتخب کرنا۔۔۔۔ حضرت علیؑ کی خلافت۔۔۔۔۔

مجھے کسی کتاب میں ایسی تحریر نہیں ملی کہ اس وقت ووٹ دیے گئے ہوں۔ الیکشن ہوئے ہوں۔۔۔ مجھے اپنے زمانے میں وہ جمہوریت کہیں دکھائی نہیں دی۔۔۔

ہاں! جب یزید کی بیعت ہوئی تو لوگوں سے رائے بھی لی گئی۔۔۔۔ ووٹ بھی دیے گئے۔۔۔۔ وہ پہلا جمہوری عمل تھا جس پر آج کی جمہوریت رواں ہے۔

اوئے! ایسی بات نہیں کی جانی چاہیے۔۔۔۔ اگر کسی نے سن لیا، تو تم پر کافر ہونے کا فتویٰ صادر ہو جائے گا۔۔۔ اور۔۔۔ جینا چاہتے ہو یا۔۔۔۔

نجانے یہ آواز کہاں سے آئی۔۔۔ کہیں باہر سے یا میرے اندر سے ہی۔۔۔۔

دوسروں کی خوبیاں اور اپنی خامیاں دیکھو۔ خوبیاں اپنانے کی کوشش کرو۔ خامیاں دور کرنے کی۔ ہمیشہ خوش و خرم رہو گے۔ اس کا تعلق ذہن سے زیادہ دل سے ہے۔ اور دل کے ایسے فیصلے مان لینے میں کوئی برائی نہیں۔ ایسے فیصلے ماننے سے دل بھی صاف ہو جاتا ہے۔

تعلیم کامیابی کا زینہ ہی نہیں بلکہ منزل تک پہنچانے میں رہنما بھی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مثبت تعلیم ہو، اور اسے علم سمجھ کر حاصل کیا جائے۔۔۔۔ ورنہ تو ہم ڈگری کے حصول کو بھی تعلیم کا حصول ہی کہتے ہیں اور ڈگری حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جاتا ہے، یہ سب جانتے ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ڈگری والوں کو تو کامیاب انسان سمجھتے ہیں اور ہر سطح پر انھیں کامیاب بنانے میں بھی کوشاں رہتے ہیں لیکن جنھوں نے علم حاصل کیا ہوتا ہے انھیں ناکام گردانتے ہیں۔۔۔۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں! اگر ڈگری کے ساتھ علم بھی حاصل کیا جائے تو سونے پر سہاگا ہے۔ اور اس کے لیے کامیابی کے دروازے کھلے ہیں۔

Marfat.com

آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں کہ ہر روشن دن کے بعد تاریک رات آئے گی۔ یہ سوچ ایسے بھی تو ہو سکتی ہے کہ ہر اندھیری شب کے بعد سورج نکلے گا' اور وہ چار دانگِ عالم روشنی پھیلا دے گا۔

اگر آپ دوسری طرز میں سوچیں گے تو کبھی مایوس نہیں ہوں گے۔ ایک امید آپ کی ڈھارس بندھائے گی۔ اور آپ زندگی کو آسانی سے گزار سکیں گے۔ اور اگر سوچ پہلے والی ہوگی تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ناامیدی موت کا پیغام ہے اور امید زندگی کا۔

خوبصورت اور خوب سیرتی دو علیحدہ صفات ہیں۔ لیکن اگر یہ یکجا ہو جائیں تو سونے پر سہاگا ---- ایک جنت کا سماں محسوس ہو۔ لیکن اگر خوبصورتی ہے اور خوب سیرتی نہیں تو زندگی جہنم بن جائے گی۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جس عورت کو اپنے خوبصورت ہونے کا اِحساس ہو جائے یا جو اپنے آپ کو خوبصورت بنانے میں مگن رہے اس کی گھریلو زندگی اکثر ناکام رہتی ہے۔ اگر دیکھنے میں کامیاب بھی لگے تو خاوند اور بیوی کی سوچ ایک دوسرے کے خلاف ہوگی۔

تجربہ کہتا ہے کہ خوبصورت سے کہیں بڑھ کر جو صفت ہے وہ خوب سیرتی ہے۔

رات کے اندھیرے نے سازشیں جنم دی ہیں
اور انہی اندھیروں نے سازشوں کو روکا ہے

خاندانی منصوبہ بندی کیا ہے؟ ہمیں سوچنا پڑے گا ---- ہم تو کسی کو ایک وقت کی روٹی اور دو قطرے پانی دینے پر قادر نہیں ---- پھر رزق کی کمی کا خطرہ کیوں؟ اور

Marfat.com

اس خطرے سے ڈر کر آنے والی روحوں پر پابندی کیوں؟------ کیا یہ بھی شرک تو نہیں ؟----- اور اگر شرک ہے تو ہمارا کیا بنے گا------ منصوبہ بندی کرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ما و شما کس قطار میں۔ جس روح نے آنا ہے اس نے تو آنا ہے----- میں نے دیکھا کہ کئی گھرانوں نے نس بندی کرائی تو ان کے "دو ہی اچھے" اللہ تعالیٰ نے واپس لے لیے اور وہ پچھتاتے رہے----- یہ بھی دیکھا کہ تمام انتظامات کے باوجود بچہ پیدا ہوا لیکن معذور----- جو ساری زندگی کا روگ بن گیا۔

اطمینان اور آسودگی ایک ایتھر کی مانند ہیں، جو انسان کو سلا دیتے ہیں۔ اور اس سے انسان کے پھلنے پھولنے کی ساری صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

عمل زندگی ہے اور عمل کا جذبہ ہی آزادی دینے دلانے اور رہنے کے قابل بناتا ہے۔ مشین اگر کچھ عرصے کے لیے بند کر دی جائے تو اس کے کل پرزے جام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جسم اور ذہن کی مشین کو حرکت میں رہنا چاہیے، تا کہ جام ہو کر ختم نہ ہو جائے۔

ہمارا خدا ایک----- رسول ایک----- قرآن ایک----- سفر کا آغاز ایک سا----- سفر کا انجام ایک سا----- اسلام ایک----- جب ہم سب کو ایک تسلیم کرتے ہیں تو اسلام کو ایک کیوں نہیں مانتے----- ہمارے اندر فرقہ بندی کیوں ہے----- ہماری راہیں کیوں جدا ہیں----- ہم خود کیوں ایک نہیں----- سب کچھ ایک ہونے کے باوجود ہم "اک مک" کیوں نہیں ہو سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے صحیح اور سچے رہبر کو چھوڑ کر نجانے کس کے پیچھے پڑے ہیں----- ہم نے امام تو چن لیے لیکن بے امام ہو گئے----- منبرِ رسول پر کھڑے ہو کر لفظوں کے جادو جگانے والوں نے----- گلی گلی گھوم کر تبلیغ کرنے والوں نے-----

Marfat.com

مسندِ مذہب پر بیٹھ کر نصیحت کرنے والوں نے اسلام کو اپنی مملکت سمجھ لیا ہے-----
مذہب کی رٹ نے دین سے دوری پیدا کر دی ہے---- ہمارے راہنما ---- پیش امام ---- مولوی ---- مبلغ ---- واعظ ---- ذاکر ---- انھوں نے ہمیں راستے سے یوں بھٹکا دیا ہے کہ شاید ہم قیامت تک منزل کے لیے سرگرداں رہیں اور اسے نہ پا سکیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک ہم سب مُسلمان ایک نہیں ہو جاتے، ہمیں بکھیرنے والے ---- ہمیں علیحدہ علیحدہ رکھنے والے، ہمارے دلوں میں نفرت کا بیج بونے والے علماء، فضلاء، مذہبی ٹھیکیدار لمبی چوڑی تحقیق کرنے والے، مسالک کے علمبردار اور اجارہ دار وغیرہ ---- جو نہ آپ اکٹھے بیٹھتے ہیں، اور نہ ہی انھوں نے ہمیں اکٹھا بیٹھنے دیا ہے----

جی ہاں! کاش کہ ہمارے دین کے راستے کے یہ مذاہب کے پیروکار راہبر اکٹھے ہو جائیں۔ عوام سارے ہی فتنے بھول کر خود ہی یکجا ہو جائیں گے۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ پھدک پھدک کر، ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری شاخ پر اڑ کر بیٹھتی پھر رہی تھی۔ یہ کوئی ایک لمحہ پہلے ---- وہ خوشی سے چہچہا رہی تھی۔ پھر نجانے کہاں ---- کس سمت ایک دھماکہ ہوا ---- اور یہ چہچہاتی، ہنستی کھیلتی زندگی ---- دھڑام سے زمین پر آ رہی ---- وہ بغیر کوئی مزید سانس لیے موت کی آغوش میں چلی گئی۔ اور میں سوچنے لگا ---- جب یہی زندگی ہے تو ہم کس شے اور سہارے پر اتراتے اور اکڑتے ہیں۔

آؤ یار! ---- وہ پرچھائیں کس کی ہے ---- دیکھتے ہیں، اُس گھنگھور

Marfat.com

اندھیرے میں --------

یہ تو شاید زندگی ہے۔

ہائیں ! زندگی ایسی ہوتی ہے ---- اتنی تھکی ماندی ---- ہاری ہوئی ---- بوجھل --- مٹی گرد میں لتھڑی ---- اندھیروں میں بھٹکتی --- بالوں کو نوچتی ---- چیتھڑے پہنے --- بدبودار اور وہ بھی پرچھائیں۔

پھر یار ----- وہ روشنیوں میں ڈھلی ---- خوشبو کے ہلے چھوڑتی ---- ناز نخرے دکھاتی ----- غازے میں لپڑی ----- بھڑکیلے کپڑوں میں برہنہ ----- لہکتی ----- قہقہے لگاتی ---- وہ کیا ہے ----

چھوڑو یار ! یہ بھی زندگی ہے ----- وہ بھی زندگی ہے ---- اور اس کے کئی روپ ہیں۔ جب تمہارا اس سے واسطہ پڑے گا تو آہستہ آہستہ خود ہی جان جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کا رتبہ بہت بڑا بنایا ہے، اور ماں کی تخلیق میں محبت کا رنگ بھرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماں محبت و شفقت کا ایک خزانہ ہے۔

شیخ سعدیؒ نے تو نادانوں کی محفل سے دانائی کی باتیں سیکھیں۔ لیکن ہم وہ نادانوں کی محفل کہاں سے ڈھونڈیں۔ یہاں تو ہر شخص دانا، اور ہر محفل عقلمندوں کی ہے۔

آنکھ کھولتے ہی ایک سفر شروع ہوا تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو پورا راستہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس راستے پر ہر قسم کے آرام، رکاوٹیں، آسائشیں اور دکھ ملے --- اب یوں لگتا ہے صرف دو قدم ہی طے کیے ہیں۔ جب کہ آگے کا سفر ---- کیا خبر دو قدموں سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔ ہزاروں میل دور، صدیوں کی مسافت، کٹھن اور

Marfat.com

پر خطر لگ رہی ہے۔ شاید اس لیے کہ آگے مکمل اندھیرا ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، اور اگلے قدم کا بھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کہاں پڑے گا۔

وقت انمٹ ہے۔ نہ میں ہوں نہ آپ ---- میں اور آپ مٹی ہو جائیں گے۔ لیکن وقت وہ حقیقت کہ جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وقت وہ ہستی ہے جس کو موت نہیں --- جو تھا --- ہے --- اور رہے گا --- اسی لیے کہتے ہیں کہ: "وقت کو برا مت کہو"۔

دُنیا میں امن قائم کرنے کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے؟ میں یہ سوچتے سوچتے کسی نتیجے پر پہنچنے میں ناکام ہو جاتا ہوں --- یہ لڑائی، جھگڑے ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ ہاں! ایک چیز جو ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہم باہر کے جھگڑوں سے ہٹ کر اپنی ذات اور اپنے من سے جھگڑیں، اندر کی بدی سے لڑیں تو شاید ہمیں بیرونی جھگڑوں کی فرصت ہی نہ ملے۔ اور امن قائم ہو جائے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے؟

میریلین مونرو (MARILYN MONROE) ایک امریکی فلم ایکٹریس نے کہا تھا:

I am not intrested in money. I just want to be wonderful.

لیکن ہمارے ہاں سوچ یہ ہے کہ دولت بھی ہو اور شخصیت بھی حیرت ناک ہو۔ اس کے لیے خواہ کوئی بھی حربہ اختیار کرنا پڑے۔ جائز، ناجائز طریقے سے رقم ہتھیائی جائے اور فطری وغیر فطری کام کر کے حیرت ناکی پیدا کی جائے۔ یہی وجہ ہے کرپشن انتہا کو

Marfat.com

پہنچ گئی ہے۔ ہم---- جو لوگ---- اپنے آپ کو دین کے حوالے سے اخلاقیات کی چوٹی پر سمجھتے ہیں، کیا یہ سوچ سکتے ہیں کہ وہ فلمی ایکٹریس جس کا حوالہ ہی اس کی بد کرداری دیا جاتا ہے۔ کیا کردار کے حوالے سے ہم سے بہتر نہیں؟ کیا ہم اپنے کردار کو اس سطح پر بھی نہیں لاسکتے؟

پہلی بات تو یہ کہ با اصول ہو جاؤ---- پھر اصول پسند بنو---- اور اصولوں کی خاطر اصولوں کو اِستعمال کرنا سیکھو۔ اگر آپ اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے زندگی بسر کریں گے تو آپ امر ہو جائیں گے۔ لیکن یاد رکھیے کہ اصول قربانی مانگتے ہیں اور اگر آپ میں قربانی کا حوصلہ نہیں تو پھر آپ با اصول نہیں ہو سکتے۔ لہذا با اصول ہونے سے پہلے قربانی دینا سیکھیے۔

خوبصورت خول دیکھ کر دھوکا نہ کھائیے۔ کیا خبر اس خول کے اندر جو پھل ہے وہ بد ذائقہ ہے، کڑوا ہے یا خراب ہے۔

اسی طرح خوبصورت چہرہ دیکھ کر فریب نہ کھائیے: کیا جانیے اس کی سیرت بھی ویسی ہے یا نہیں:---- جو کہ اکثر نہیں ہوتی۔

تاریخ کا اگر باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اپنی شکست کے اسباب واضح دکھائی دیتے ہیں---- علم اور عمل دو چیزیں ہیں، جو جہاں کامیاب زندگی کے لیے ضروری ہیں، وہاں فتح حاصل کرنے کے لیے بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

صلیبی جنگوں میں جب عیسائیوں کو شکست ہوئی تو انھوں نے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ مُسلمانوں کے اندر جھانک کر دیکھا جائے۔ پھر انھوں نے نہ صرف

Marfat.com

عربی زبان کو پڑھا، بلکہ عربی کتب کا اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ بھی کیا۔ یوں مُسلمانوں کا علم ان کے ہر خاص و عام تک پہنچ گیا، اور پھر---- وہ وقت آیا کہ عیسائیوں کو ہم نے فتح پر فتح حاصل کرتے دیکھا۔

ہمارے ہاں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے ہمیں مکمل طور پر غلامی میں جکڑ دیا۔ پھر ہم نے سرسید احمد خان کی تحریک پر علم حاصل کیا، اور اس پر عمل کیا تو آپ نے دیکھا کہ پاکستان کے نام سے یہ اسلامی خطہ معرضِ وجود میں آ گیا۔ یہ الگ بات کہ ذہنی طور پر ہم آج بھی غلام ہیں۔

ہمارے لیے اب پھر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم مغرب والوں کے اندر گھس کر ان کی حکمت عملی اپناتے ہوئے علوم حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہو کر انھیں شکست دیں۔ وہ علوم جو کہ در اصل ہمارے اپنے ہیں لیکن انھوں نے ہمیں اپنے لادینیت کے افعال دے کر ہمارے مثبت علوم چھین لیے تھے۔

یہ کام ہم تراجم کے ذریعے ہر خاص و عام تک پہنچا سکتے ہیں۔ اور یہ طریقہ بہت ممد ثابت ہوگا۔

زندہ قومیں ہر فیصلہ بڑی سوچ وچار سے کرتی ہیں۔ وہ پہلے تولتی ہیں، پھر بولتی ہیں۔ لیکن جو قومیں موت کے دہانے پر کھڑی ہوتی ہیں ان کی سوجھ بوجھ سلب ہو جاتی ہے۔ وہ بولتی ہیں، پہلے ---- بات کو تولتی ہی نہیں ---- آپ لوگوں نے شاید تاریخ کا یہ واقعہ پڑھا ہو کہ چرچل برطانیہ کا وہ عظیم رہنما تھا جس نے دوسری عالمی جنگ میں برطانیہ کو فتح کے دروازے تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ لیکن جنگ کے بعد جب الیکشن ہوئے تو اس کی قوم نے چرچل کی ہر دلعزیزی کے باوجود اسے رد کیا۔ اور ووٹ نہیں دیا۔

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ کیوں ہوا؟

Marfat.com

دراصل چرچل جنگ کا ہیرو تھا۔ امن کا نہیں۔ کیونکہ جنگوں کے خاتمے پر ملکوں کی تعمیرِ نو کا دَور شروع ہوتا ہے۔ اب برطانیہ کو دوبارہ بننا تھا، اور ملک کو دوبارہ بنانے کے لیے جنگی ہیرو موزوں نہیں تھا۔

لیکن ہم ---- بحیثیت قوم ---- کیا میں کہہ سکتا ہوں کہ شعوری طور پر بالکل پست ہو چکے ہیں۔ ہم امن کے زمانے میں بھی جنگی سرداروں کو خود پر مسلط دیکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا کام میدانِ جنگ میں ہے ---- اس سے پتا ہے کیا ہوتا ہے۔ ان کے اندر کا عسکری جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ حکمرانی کا خون ان کے مُنہ کو لگ جاتا ہے ---- اور مادی جذبہ غلبہ پا لیتا ہے۔

زندہ اور مردہ قوم کو پرکھنے کے لیے اقدار ہی ایک ایسا پیمانہ ہے جو ہمیں آگاہی دیتا ہے کہ اس قوم میں زندگی کی کتنی رمق ہے۔ اقدار کی بقا قوموں کی زندگی ہے ---- اقدار کو زندہ رکھیے، زندہ رہیے۔

ثانیے تمھارے ہیں؛ صدیاں نہیں۔ صدیوں والے اپنی صدیوں کو خود سنبھال سکتے ہیں، تم اپنے ثانیے اپنی مٹھی میں رکھو۔ ان کو ضائع نہ ہونے دو۔ اگر یہ ضائع ہو گئے تو تم خود ضائع ہو جاؤ گے۔ یہی تمھاری دولت ہے۔ اسی سے تمھارا نام ہے اور یہی تمھاری زندگی ہے۔

غالبًا اس واسطے بھی بوجھ سا لگتی ہیں وہ
بیٹیوں کو بیاہنے میں چاہیے مایا بہت

Marfat.com

اتنی سی بات سمجھنے سے بھی تو قاصر ہے
دشمنی میں ہمیں کچھ لوگوں نے تقسیم کیا

کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے تیرتی رہتی ہے۔ جب پانی کشتی کے اندر آجاتا ہے وہ ڈوب جاتی ہے۔ بعینہٖ جب تک اِنسان دُنیا میں رہتا ہے وہ اسے زندہ رکھتی ہے۔ لیکن جب دُنیا اس کے اندر آجاتی ہے وہ رُوحانی موت مرجاتا ہے۔

محبت پر کبھی آپ نے غور کیا ہے ---- کبھی سوچا ہے ---- نہیں! پہلے اپنے وجود کے اعضاء کی آپس میں محبت کو دیکھو ---- جسم کا کوئی عضو دُوسرے سے محبت میں پیچھے نہیں۔ ایک دُوسرے کے دکھ سکھ، درد وغم، خوشی ومسرت، حتیٰ کہ ہر موقع پر ایک دُوسرے کے ساتھ محبت کا اِظہار کرتا ہے ---- کانٹا پاؤں میں چبھتا ہے آنسو آنکھ سے بہہ نکلتا ہے۔ درد سر میں ہوتا ہے چلنے سے پاؤں اِنکار کر دیتا ہے ---- ہے ناں محبت کی ایک لازوال مثال۔ آپ بھی اس دھرتی کے، ایک قوم کے، ایک ملک کے جسم کا حصہ ہیں۔ پھر اپنے جسم کے اعضاء کی طرح دھرتی، قوم، ملک، ماحول، معاشرے سے منسلک ہونے کے باعث محبت کیوں نہیں کرتے۔ کیا اپنے ہی کسی عضو کو کاٹتے ہوئے آپ کو درد نہیں ہوتا ----؟

جو دسترس میں نہیں مسترد کیا جائے
وجودِ ذات کو ہی مستند کیا جائے

Marfat.com

پرچی جویری (تھر) کے ویو پوائنٹ VIEW POINT سے ڈوبتے سورج کا منظر دیکھ کر ہم کتنا محظوظ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کبھی ذہن میں نہیں آیا کہ سورج جیسی شے جو تھوڑی دیر پہلے دنیا کو منور کیے ہوئے تھی بالآخر ڈوب رہی ہے اور یہ سرخ دکھائی دینے والی کرنیں اپنے انجام پر لہو کے آنسو ہیں۔

تمھاری خاموشی کو ہر شخص پڑھنے اور اس میں پوشیدہ راز کو تلاشنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جب بولو گے تو وہ راز تمھارے نہیں رہیں گے اور تمھاری شخصیت عیاں ہو جائے گی ------ ایک خوبصورت لڑکا تھا اس کی منگنی ہوئی۔ اس دوران سسرال (متوقع) کے ہاں وہ خاموشی سے بیٹھا رہا۔ لیکن جب دوسری ملاقات پر وہ اپنے سسر سے محوِ گفتگو ہوا تو سسر نے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا---- اس لیے کہ اس نے لڑکے کا اندر دو چار باتوں میں ہی دیکھ لیا تھا۔

لہٰذا بولنے سے پہلے سوچ لو کہ کسی اہم شے سے پردا اٹھانے والے ہو، یا اگر اپنی کسی ایسی کمزوری سے واقف ہو تو بولنے سے خاموشی بہتر ہے۔

بھنور کو روکنا ممکن نہیں خود بچ تو سکتا ہے
اگر تنکے میں ٹکرا جانے کا جذبہ ابھر آئے

ہم یہ جانتے ہوئے بھی کہ شیشے جیسے فرش پر بچے پھسل کر گر پڑتے ہیں، جس سے انھیں چوٹ بھی لگ سکتی ہے گھروں کے فرش پھر بھی پھسلواں بنانے پسند کرتے ہیں۔

Marfat.com

ماروی کو عمر سومرو نے، لیلیٰ کو مجنوں نے، ہیر کو رانجھے نے، سسی کو پنوں نے، عذرا کو وامق نے، سوہنی کو مہینوال نے، شیریں کو فرہاد نے، شیربانو کو یوسف خان نے، جیولٹ کو رومیو نے ---- غرضیکہ صرف چند ایسی حسیناؤں کے نام سامنے آتے ہیں، جن کو ان کے چاہنے والوں نے امر کر دیا۔ ورنہ کائنات میں ان گنت حسینائیں ہوئیں، جن کا آج نام بھی نہیں۔

اپنی دہلیز پہ مدھم سا دیا جلنے دے
جانے کس وقت کوئی بھٹکی نظر پوچھ ہی لے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا، اور انسان نے اللہ تعالیٰ کو ---- کیوں؟

انسان کچھ نہیں تھا۔ لیکن اللہ نے جب انسان کو پیدا فرمایا تو انسان نے اللہ تعالیٰ کی پہچان کروائی ---- ہر رنگ میں ---- ہر روپ میں ---- اس لیے انسان عظیم ہے کہ وہ پیدا کرنے والی عظیم الشان ہستی کی پہچان بنا۔

ہر بار جرم سرزد ہونے کے بعد جب ہم سوچتے ہیں تو پشیمان ہوتے ہیں اور ضمیر ہمیں ملامت کرتا ہے ---- لیکن پھر بھی ہم ہر بار جرم کرتے ہیں۔ اور جرم کرتے ہوئے نہ تو انجام کے بارے سوچتے ہیں اور نہ ہی ضمیر کی بعد میں ہونے والی ملامت کا ہمیں خیال ہوتا ہے۔ کیا ہم اس وقتی جذبے، خواہش یا جوش پر قابو نہیں پا سکتے۔ جو ہمیں جرم پر اکساتا ہے، اور پھر ایک پچھتاوا دے جاتا ہے۔

Marfat.com

عربی کہاوت "الاستقامة فوق الكرامة" کو اگر سوچا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا کوئی مشکل نہیں کہ کرامتیں بھی وہیں رونپذیر ہوتی ہیں جہاں اِستقامت ہو۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کبھی کبھار کسی غیر اعتبار شخصیت سے بھی ایسا واقعہ ظاہر ہو جاتا ہے، جسے ہم کرامت کہہ سکتے ہیں۔ یوگا، مسمریزم، ہپناٹزم وغیرہ سے کیا ایسی حرکات نہیں ہوتیں کہ انھیں ماننے کو دل نہیں چاہتا، اور عقل دنگ رہ جاتی ہے ---- لیکن وہ ہوتی ہیں ---- کیوں؟ اس لیے کہ ان لوگوں نے اِستقامت کو اپنا وطیرہ بنایا ہوتا ہے ---- اِستقامت ان کی گرفت میں ہوتی ہے۔

ہم خوابوں کی تعبیر کیسے پا سکتے ہیں۔ خواب تو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ خواب ایک دھوکا اور تعبیر کے حصول کے لیے تگ و دو کرتے رہنے کا ذریعہ ہیں۔ اگر یہ مٹ جائیں تو انسان مٹ جائے گا۔ انسان کا مٹنا اس کی سوچوں یعنی خوابوں کا مٹنا اور تعبیر کے لیے بھاگ دوڑ کا ختم ہونا --- ہی ہے۔

جب میں پیدل چل رہا ہوتا ہوں تو پاس سے گزرنے والے سائیکل سوار سے بھی شکایت ہوتی ہے کہ وہ تیزی سے گزر گیا۔ اوپر گرد یا پانی پھینک گیا۔ غلط سائیڈ پر چلا رہا تھا ---- جب سائیکل پر ہوتا ہوں تو یہی شکایت موٹر سائیکل والے سے ہوتی ہے ---- موٹر سائیکل پر ہوں تو کار والا چبھتا ہے ---- حتیٰ کہ یہ شکایت کا سلسلہ بس، ٹرک، اور ریل گاڑی تک چلتا ہے۔ ہوائی جہاز شاید پہنچ سے دُور ہے اس لیے میں اس کو اپنی شکایات کے دفتر میں شامل نہیں کر رہا۔ لیکن ---- میں نے خود کو کبھی بھی اس دھارے میں شامل نہیں کیا۔

Marfat.com

بعینہٖ یہ شکایات کا سلسلہ نائب قاصد سے ایگزیکٹو تک اور عام آدمی سے سربراہِ مملکت تک کڑی بہ کڑی قائم رہتا ہے ---- لیکن افسوس کہ میں نے اور ہم نے ---- کبھی خود کو اس جگہ پر لا کر نہیں سوچا۔ اگر سوچیں تو ہمیں احساس ہو جائے کہ ان (اوپر والوں) کی مجبوریاں کیا ہیں؟ ان پر کس قدر کام کا بوجھ ہے؟ جسے انھوں نے برداشت کرنا ہے۔ انھیں اپنے اپنے مقام پر کیسی کیسی سختیوں اور مشکلات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے؟

اور ---- پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا میں پیدل چلتے ہوئے اپنی صحیح سمت اختیار کیے ہوئے ہوں؟ کیا سائیکل، موٹر سائیکل وغیرہ پر بیٹھ کر میرے ذہن میں وہ بات ہے جو میں اپنے اوپر والوں کے بارے سوچ رہا ہوں ---- ؟

کاش کہ ہم اپنی سوچیں مثبت سمت لے آئیں۔

رات کو دیر تلک پھرنا کوئی ٹھیک نہیں
یوں نہ ہو، آ کوئی کسی روز تو در پوچھ ہی لے

انسانی ذہن کا کوئی سیل ایسا نہیں جو بیکار ہو ---- ہر ثانیہ، ہر آن کچھ نہ کچھ کرتے رہنا ---- انسان کا جسم سویا ہو تب بھی ذہن میں اتھل پتھل جاری رہتی ہے اور شاید اسی عمل کا نتیجہ ہے کہ ہر لمحہ کیا سے کیا کچھ ہو رہا ہے ---- اس عمل کو درست رہنے دینا یا غلط راہوں سے بچانا، یہ بھی کسی خلیے کا ہی کام ہے۔ لیکن انسان کو چاہیے کہ شیطانی قوتیں غالب نہ آنے دے۔

آپ جب کسی کے بارے بہتر سوچیں گے تو کوئی آپ کے بارے بہتر سوچے گا ---- اور اگر کوئی آپ کے بارے غلط سوچتا ہے یا نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو آپ اس

Marfat.com

نہج پر مت چلیے۔ آپ اپنی ---- سوچ کا سفر جاری رکھیں۔ ایک وقت آئے گا کہ وہ بھی آپ کے بارے وہی سوچنا شروع کر دے گا جو آپ سوچ رہے ہیں ---- کیونکہ ابھی انسان مرا نہیں ---- زندہ ہے ---- اور دیکھیں اگر یہ ردعمل نہیں بھی ہوتا تو آپ خود تو مطمئن رہیں گے۔ اور یہی تسکین انسان کی ارفع اور اعلیٰ زندگی ہے۔

بہت مجبور وہ دریا ہے جس کی
کوئی قطرہ مدد کرتا نہیں ہے

ہست اور نیست کا تعلق توڑا نہیں جا سکتا۔ ہست نیست کا جزو ہے۔ کیونکہ لا ہے تو آگے پورا بسلسلہ ہمارے یقین و اعتماد کا چلتا ہے۔ اگر آپ لا کو ہی علیحدہ کر دیں تو پھر کچھ بھی نہیں بچے گا۔

بچپن میں سیکھی اور حاصل کی ہوئی تعلیم کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ اتنا دیرپا کہ بڑھاپے میں آکر بھی آدمی ان اثرات سے نہیں بچ سکتا۔ بلکہ لوگ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ بوڑھے اور بچے کی عادات یکساں ہوتی ہیں ---- پس جوانی کا ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ آدمی یاد داشت کھو بیٹھتا ہے اور من مانی کرتا ہے۔ لہٰذا بچپن میں بچوں کو ایسی تعلیم دو کہ وہ زندگی کو کامیابی سے گزار سکیں، اور آخرت کو بھی اسی کے سہارے گزارنے کی اہلیت پیدا کر لیں۔

میں بچپن سے سنتا آ رہا ہوں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ---- پھر ایک کتاب میں ---- میں نے پڑھا کہ ---- تاریخ تو بے چاری، مجبور اور معذور ہوتی ہے۔

Marfat.com

یہ کیسے اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے۔ البتہ مضبوط ہاتھ تاریخ کو واپس لے آتے ہیں۔

اور میں آج دیکھ رہا ہوں کہ واقعی کچھ ایسے ہاتھ ہیں جو ماضی کو دہرا رہے ہیں۔

حضرت حوا نے جب حضرت آدمؑ کی پسلی سے جنم لیا تو بالکل ننگی تھی ------ پھر وقت کے ساتھ ساتھ حوا کی بیٹی نے خود کو کپڑوں میں لپیٹنا شروع کر دیا--- ایک وقت آیا کہ عورت پردے میں چلی گئی، اور یہی عورت کا عروج تھا۔ کیونکہ عورت نام ہی اسی کا ہے، اور پھر--- جی ہاں آہستہ آہستہ کپڑے اترنے لگ گئے ---- پردہ گیا --- دوپٹہ گیا--- کمر کالتا گیا--- بدن کا کرتہ گیا--- بس ½ گز میں سلے ہوئے دو کپڑے تن کو ڈھانپنے کے لیے رہ گئے۔ اور اب ہم بتوں کے دَور سے گزر کر ماضی بعید کے اس دَور میں داخل ہو رہے ہیں جو انسانی آغاز کا دَور تھا۔ دیکھیں--- حوا کی بیٹی کب حوا کے رُوپ کو دھارتی ہے ---- یہی ماضی کی واپسی ہے اور یہی محشر کی طرف بڑھتے ہوئے قدم ہیں۔ کیونکہ ہم محشر سے چل کر یہاں تک آئے اور اب آہنی ہاتھ اسی محشر کو دوبارہ واپس لا رہے ہیں۔

اس میں تو مٹی کی تاثیر کا کچھ دوش نہیں
نفرتیں بوئی گئی ہیں تو ستم نکلے ہیں

ماں! چوہدری صاحب کی وفات کے بعد گاؤں کا نمبردار کون بنے گا؟

اس کا بیٹا

اس کے مرنے کے بعد

اس کا بیٹا

پھر؟

Marfat.com

میرا پتر! وہ سارا خاندان بھی باری باری اللہ کو پیارا ہو جائے تو پھر بھی تمہیں کوئی نمبردار نہیں بنائے گا۔

ماں! پھر تو ہمارے ملک کے سیاستدانوں---- اور ہمارے گاؤں کے نمبردار میں ذرا سا بھی فرق نہیں۔

پتر! تم میراثیوں کے گھر پیدا ہوئے ہو۔ خدمت گزاری ہمارا کام ہے۔ ہم نے سدا خادم ہی رہنا ہے۔ تو چھوڑ اس جھنجھٹ کو---- کیا فائدہ ایسا سوچنے کا۔

یہ بڑے لوگوں کے سوچنے کے کام ہیں۔

ماں! اگر پڑھ لکھ کر میں بڑا آدمی بن جاؤں تو پھر----

پتر! تم وہ کام نہیں کر سکتے جو چوہدری کرتے ہیں۔

ماں! وہ کیا کرتے ہیں؟

پتر! بڑے ہو کر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ میں نے چند دن زندگی کے گزارنے ہیں اور تجھے پال پوس کے بڑا بھی کرنا ہے۔

حادثے اشک کی صورت میں نہ ضائع کیجے
حادثے صاحبِ ادراک بنا دیتے ہیں

مجھے ہارن سے بہت چڑ ہے۔ چونکہ میں عام طور پر موٹر سائیکل پر سفر کرتا ہوں، اس لیے ہارن کی آواز کی زد میں کچھ زیادہ ہی آتا ہوں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے کسی موٹر سائیکل سوار، رکشہ یا چنگ چی ڈرائیور کو روک کر منع کیا کہ ہر وقت ہارن بٹن کو پریس مت رکھا کرو۔ لیکن کون مانتا ہے۔ البتہ ایک دفعہ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے ایک چنگ چی ڈرائیور کو روک کر کہا۔

Marfat.com

بھئی ! یہ ہارن بجاتے رہنا کوئی اچھی بات نہیں۔ اس کا شور سننے والوں کو چڑچڑا بنا دیتا ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے ہم برداشت کی قوت زائل کر بیٹھے ہیں اور ہربات پر لڑنے مرنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ اس لیے خدارا رفتار کو قابو میں رکھتے ہوئے چپ چاپ گزر جایا کرو۔

اس ڈرائیور نے غور سے میری بات سنی۔ معذرت کی اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔

لیکن میں خود پر بھی یہ پابندی لاگو رکھتا ہوں اور میں نے کبھی ہارن نہیں بجایا۔ جب تک کہ اس کی شدید ضرورت محسوس نہ ہو۔

تجھے شہرِ گماں کے راستے سے بھی گزرنا ہے
میسر ہو تو پھر ماں کی دعا بھی ساتھ رکھ لینا

میری دو سالیاں اپنے بھائی کے لیے ایک گھر میں رشتہ دیکھنے گئیں۔ جب وہ واپس آئیں تو میں نے ان سے پوچھا:

"لڑکی تمھیں پسند آئی ہے"۔

"جی ہاں" وہ تو ایک چاند کا ٹکڑا ہے۔ خوبصورت، پڑھی لکھی، سگھڑ۔ ہمیں تو وہ بہت پسند آئی اور پھر وہ ہمارے چاند جیسے بھائی کے ساتھ اچھی بھی لگے گی"۔ انھوں نے کہا۔

دو دن بعد لڑکی کے والدین میرے سسرال میں آئے۔ انھوں نے بہت خاطر تواضع کی۔ میری منجھلی سالی دوسرے دن ان کے گھر گئی تاکہ ان سے حالات معلوم کرسکے۔ انھوں نے باتوں باتوں میں کچھ شرائط کا اظہار کردیا۔ جو میری سالی کو منظور نہیں تھیں۔

Marfat.com

گھر آ کر والدین سے اس نے بات کی تو انھیں بھی وہ پسند نہ آئیں۔ اور اب وہ کہتی ہیں :

لڑکی کا قد بہت چھوٹا ہے ---- کوئی خوبصورت بھی نہیں۔ گھر سنبھالنے کا پچ بھی نہیں ---- تعلیم بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اور پھر ہمارے بھائی کے ساتھ چلتے ہوئے سجے گی بھی نہیں۔ ہم تو پہلے دن سے ہی اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھیں۔ اچھا ہوا کہ پھنسنے سے بچ گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں --- آپ بھی غور کریں گے تو کچھ اور ہی سوچیں گے۔

شاکر کبھی یہ سوچا ہے وہ لوگ کیا ہوئے
کل تک یہاں جو صاحبِ اوج و کمال تھے

اللہ شہ رگ سے بھی نزدیک ہے اور اتنی قریب کی چیز دیکھنا آسان نہیں۔ یہ انسان کے وجود کا حصہ ہے۔ جو اندر موجود ہے --- اور اندر کی کسی چیز کی تلاش کے لیے اندر گھسنا پڑتا ہے۔ بند کمرے کے باہر کھڑے ہو کر ہم اس کے اندر کی چیز تلاش نہیں کر سکتے۔ جب تک انسان اپنے اندر نہیں جائے گا ---- شہ رگ سے بھی قریب کی ہستی کو کیسے ڈھونڈ سکے گا؟

آپ شیطان سے نہیں ڈرتے؟ --- سراسر جھوٹ۔ میں تو اس سے بہت ڈرتا ہوں۔ یہ دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ نیکی کی راہ سے بھٹکا دیتا ہے۔ برائی کے خوبصورت سپنے دکھا کر لوٹ لیتا ہے اور میرے جیسے کمزور آدمی پر تو اس کا مکمل تسلّط ہے۔

میں ایک حقیر سا بے بس انسان بھلا اس کے آگے کیا کر سکتا ہوں ---- یہ تو وہ ہوا ہے جو خدا کی ذات کے سامنے ڈٹ گیا تھا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مکمل

Marfat.com

چھوڑ دی۔ بس اب تو یہی ہے کہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے۔ اس کی طاقت سے ہی اس طاقت ور دشمن پر غلبہ پایا جاسکتا ہے کہ ایک دن اسی مالکِ کائنات نے ہی اسے ختم کرنا ہے ---- لیکن کبھی کبھی تو میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ شیطان کا کوئی وجود نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ نے ایک نام دے دیا ہے۔ انسان کے اندر ہی نیکی اور بدی کے دو عناصر موجود ہیں۔ بس جب بدی غالب آجاتی ہے تو اسے شیطان کا نام دے دیا جاتا ہے ---- یعنی انسان خود ہی شیطان ہے جو خود برائی پر عمل پیرا ہوتا ہے لیکن اللہ کے دیئے ہوئے اس نام کو بدنام کردیتا ہے یا اس کا سہارا لے لیتا ہے۔ اگر شیطان کا وجود مان لیا جائے تو فرمانِ رب العزت ہے کہ ماہِ صیام میں شیطان کو قید کردیا جاتا ہے ---- پھر یہ برائیاں ---- اس مقدس مہینے میں کیوں ہوتی ہیں۔ کیا اس مہینے میں غلطیاں اور غلط کاریاں ---- خطائیں اور خطا کاریاں ---- برائی اور بدکاریاں نہیں ہوتیں ---- بس! ہمیں اپنے اندر کے شیطان سے اللہ رب العزت کے ہاں پناہ مانگنی چاہیے۔

بھلا میدان کیا مارے گا وہ سالار شاکر
سپاہ سے جس کے سارے رابطے گم ہو گئے ہوں

شداد نے کتنی چاہت سے جنت بنوائی تھی۔ لیکن اس جنت کو دیکھنا اسے نصیب نہ ہوا ---- تو آخر کس اُمید پر اس فانی جگہ میں اپنے لیے ایسی جنت بنوا رہا ہے، جسے دیکھنا تیرے مقدر میں نہیں ---- ہاں! اگر چاہتا ہی ہے تو اس جنت کی طرف بڑھ جو تیرے انتظار میں ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے انسان کے آرام کے لیے دو گودیں بنائی ہیں۔ ایک ماں کی گود ---- اور دوسری مٹی کی ---- ان دونوں گودوں کا احترام، عزت اور تقدس فرض ہے۔ دیکھنا ان پر آنچ نہ آنے پائے۔

سمجھے نہیں ---- نہیں ---- کچھ نہیں سمجھے ---- اور تم سمجھو گے بھی نہیں ---- کیونکہ تم نے کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

لالچ اور ہوس سے دولت جمع کر کے اپنے لیے خود ہی دشمن پیدا کر رہے ہو۔ اگر اپنی اس حرص کو ختم نہیں کر سکتے تو اتنا ضرور کرنا کہ کسی نہ کسی کو اپنا بنا کے رکھنا۔

محبت ایک خوف ہے ---- ایک ڈر ہے ---- محبوب سے بچھڑنے کا خوف ---- اس کی ناراضگی کا ڈر ----

زندگی موت کا پیغام ہوا کرتی ہے
حادثے زیست کو تحریر کیا کرتے ہیں

کسی بھی ناخوشگوار واقعہ پر دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیا خبر کہ وہ کسی بہتری کی طرف پیش رفت ہو۔ دیکھیں نا! اگر حضرت یوسفؑ کو آپ کے بھائی کنوئیں میں نہ پھینکتے اور پھر غلام بنا کر نہ بیچتے تو شاید آپ کبھی بھی عزیزِ مصر نہ بن سکتے۔

Marfat.com

بولنے سے بولنے والے کی شخصیت سامنے آجاتی ہے۔ اور پھر اگر وہ کوئی سوال کرتا ہے تو مکمل کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جواب دینا شاید اتنا مشکل نہیں ---کیونکہ اگر علم نہیں تو لاعلمی کا اظہار کیا جاسکتا ہے لیکن سوال پوچھنا بہت مشکل ہے --- کچھ بھی پوچھنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔ لفظوں کو صحیح ترتیب دینا پڑتا ہے --- پھر لہجہ بھی سوالیہ ہو---- تحکم نہ ہو--- تحمل و بردباری سے سوال کیا جائے ---- الغرض بہت سے ایسے پہلو ہیں جنھیں سوچنا پڑتا ہے۔ اس لیے --- میں نے بہت کم لوگوں کو صحیح سوال کرتے دیکھا ہے۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ سوال پوچھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی سے کچھ مانگنا، اور کسی سے کچھ مانگنے کے لیے کیا مشکلات پیش آتی ہیں ---؟ کیا منصوبہ بندی کرنا پڑتی ہے ---؟ یہ کسی پیشہ ور مانگنے والے سے ہٹ کر کسی شخص سے پوچھیے --- یا خود تجربہ کر دیکھیے۔

اللہ تعالیٰ نے تو عبادت کو اتنا مشکل نہیں بنایا جتنا کہ ہم نے خود بنا دیا --- وہ تو ایسی ہستی ہے جو سب کے لیے آسانیاں چاہتی ہے --- تو کیا آسانیاں چاہنے والے سے ہم مشکلات کی توقع کر سکتے ہیں --- یہ تو ہم ہی ہیں کہ صرف وضو میں ہزاروں مسائل کھڑے کر دیے ہیں --- ہم نے وضو کو ہی اتنا پیچیدہ کر دیا ہے کہ نماز کی طرف جانے کی لوگوں میں ہمت ہی نہیں ہو سکتی --- صرف وہی لوگ ہی آگے جاسکتے ہیں جو ان مسائل سے انجان رہے ---- جو الجھ گئے سو الجھ گئے۔

تم خلاؤں کے سفر میں نہ ابھی کھو جاؤ
تم کو تو وقت کی منزل کا پتا ہوتا ہے

Marfat.com

ایک جرم کرنے کے بعد اگر انا پر ڈٹے رہو گے تو واپسی کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔ جرم پر جرم کرتے رہو گے ---- اور آخر قعرِ مذلت میں جا گرو گے۔ جرم کے بعد توبہ ہی سیدھے راستے پر لانے اور چلانے کا واحد ذریعہ ہے۔ فراخدلی سے جرم کا اعتراف کرو اور عجز و انکساری سے توبہ۔

ہار کو مان لینے سے جیت کے امکانات پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارت نے ہار جانے کے بعد اپنی ہار کو ذہنی طور پر تسلیم کیا، اور پاکستان کے لیے ایسے مسائل پیدا کر دیے کہ ۱۹۷۱ء کا منحوس سال ہمیں دیکھنا پڑا۔ اس جنگ میں بھارت کی واضح فتح تھی۔ لیکن بد قسمتی کہ پاکستان نے اس ہار کو تسلیم نہیں کیا، سب الزامات حالات اور ایک دوسرے کے سر دیتے رہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ اگر میدانِ جنگ گرم ہوتا تو پاکستان پھر ہار جاتا۔ لیکن ۲۸ سال گزرنے کے بعد اس شکست کا احساس کسی مقام پر ہوا تو ہم ایٹمی قوت میں بھارت کے برابر آ کر کھڑے ہو گئے ---- اور آج تباہی کا امکان تو ہے لیکن شکست کا نہیں ---- ہاں ! ایک کمی اب بھی موجود ہے کہ ہم نے ۱۹۷۱ء کی ہار کو پورے طور پر تسلیم نہیں کیا۔ ہم اسے اگر مکمل طور پر حقیقت مانتے ہوئے تسلیم کر لیں تو ناقابلِ تسخیر بن کر ابھر سکتے ہیں۔

Marfat.com

بارش اور آندھی ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت بھی ہیں اور زیادتی میں زحمت بھی ثابت ہوتی ہیں۔ بزرگ کہتے ہیں کہ بارش شروع ہو جائے اور آپ چل رہے ہوں تو چلتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس بات کا کوئی اعتبار نہیں کہ بارش کب تک جاری رہے گی۔ یہ دنوں میں بھی پھیل سکتی ہے۔ لیکن جب آندھی چلے تو کھڑے ہو کر گزاریں۔ کیونکہ وہ چند لمحوں بعد ختم ہو جائے گی۔

ہاں! میرا تجربہ کھڑے رہ کر گزارنے کا نہیں ---- بلکہ چاہیے کہ اوندھے مُنہ لیٹ جائیں۔ کیونکہ آندھی زمین سے اوپر اوپر رہتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ درخت جو کھڑے ہوئے ہیں انھیں اکھاڑ دیتی ہے لیکن گھاس جو لیٹی ہوتی ہے آندھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

بارش اور آندھی کو جب دیکھیں تو سوچیں کہ یہ بھی نظامِ زندگی کا ایک فلسفہ ہے ---- اور پھر اس فلسفے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ہوا زندگی کی علامت ہے۔ لیکن اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو بوجھل ہی نہیں لگتی بلکہ زندگی کو ختم کرنے کا سبب بھی بنتی ہے۔

آپ نے کبھی کسی مچھر کو تیز ہوا کے سامنے اڑتے دیکھا ہے ----؟ نہیں دیکھا ہو گا۔ کیونکہ وہ تیز ہوا اس کے لیے موت کا پیغام ہے، اور یہی حدِ اعتدال سے زیادتی ہے۔

آپ نے کبھی شیر کو جنگل میں گھومتے دیکھا ہے ---؟ شاید نہیں ---- دیکھا میں نے بھی نہیں ہے۔ لیکن ---- کہتے ہیں کہ شیر گھاس پر نہیں چلتا ---- صاف ستھرے راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ شاید اس لیے کہ پاؤں میں کانٹے نہ چُبھ جائیں۔

Marfat.com

آپ نے معصوم بچے کو تو دیکھا ہوگا۔ اسے جس سمت سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو وہاں سے ہٹ جاتا ہے۔

یہ سب فطرت کی تعلیم ہے اور یہ فطرت کی تدریس کا سلسلہ صرف انسان کے لیے نہیں، کائنات کی ہر شے کے لیے ہے۔ اس تدریس کے مطابق چلا جائے تو زندگی آرام دہ ہے۔ اگر اس کے خلاف کام کیا جائے تو تعطّل اور تکلیف کا آنا ضروری ہے۔

ہنستے لبوں کو دیکھ کے مت کھائیے فریب
اندر کی ہو سکے تو اذیت کو دیکھیے

ہمارے اختیار میں کیا ہے۔۔۔؟ کیا یہ جینا۔۔۔۔؟ کیا مرنا۔۔۔۔؟ کیا عزت۔۔۔؟ کیا ذلت۔۔۔۔؟ کیا شہرت۔۔۔۔؟ کیا گمنامی۔۔۔۔؟ کیا روشنی۔۔۔۔؟ کیا اندھیرا۔۔۔؟ کیا رات۔۔۔؟ کیا دن۔۔۔؟ دنیا کی کوئی ایسی چیز۔۔۔۔؟

جب سب کچھ ہی اس کی مرضی اور اس کے اختیار میں ہے، تو چلو خود کو بھی اس کی رضا پر چھوڑ دیں۔۔۔ پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی کر کے تو دیکھیں۔

خانہ کعبہ (مسجد الحرام) کے گرد سرکلر روڈ ہے۔ جس سے کئی راستے نکلتے ہیں، جو مختلف محلوں اور بازاروں سے ہو کر باہر نکل جاتے ہیں۔۔۔۔ یوں ہم چلتے چلتے حرم کی حد سے بھی باہر نکل جاتے ہیں۔ لیکن جب باہر سے آتے ہیں اور انہی راستوں پر سے سیدھے چلتے رہیں تو حرم میں داخل ہو کر بالآخر خانہ خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں: خانہ کعبہ اللہ کا گھر ہے۔ حرم پاک علاقہ ہے اور پھر جاتے جاتے اللہ کے اس گھر سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ ایسے ہی گمراہی کے راستے ہیں کہ جب اللہ کے گھر سے جانے والے

Marfat.com

ان پر چلتے ہوئے باہر نکلیں اور پھر کسی غلط رستے پر چڑھ جائیں تو شاید واپسی میں ہمیں بہت وقت پیش آئے لیکن سیدھے رستے پر رہیں تو آسانی سے اللہ کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ گویا غلط راستہ بھٹکانے اور صحیح راستہ منزل تک پہنچانے کے لیے ہے۔

شیخ ایاز نے کہا تھا کہ: ”کتے اور آدمی میں یہ فرق ہے کہ کتا جب تک باؤلا نہ ہو جائے وفاداری نہیں چھوڑتا، اور آدمی جب تک باؤلا نہ ہو جائے وفاداری نہیں کرتا“۔

اور میں سوچ رہا ہوں کہ انسان ہر حال میں اشرف المخلوقات ہے۔ خواہ وہ مکھی کی طرح گندگی کے ڈھیر پر بیٹھا ہو یا کتے کی طرح پاؤں میں لوٹ رہا ہو۔ جب اٹھے گا تو وہ انسان ہی ہو گا۔ وہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔

مجھے چودھویں رات کے چاند سے بہت محبت ہے۔ میں اسے سالہا سال سے دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کبھی نگاہ نہیں ٹھہرائی۔ دراصل اس کے حسن کی چمک سے نگاہ چندھیا جاتی ہے۔ کل اسے بدلی کے پیچھے ہونے کی وجہ سے کافی دیر تک دیکھتا رہا، تو اس کے چہرے کو داغدار پایا، اور آج میری سوچ چاند کے بارے میں کل سے مُختلِف ہے۔

ہمارے سیاست دان جیل میں جانا اس لیے پسند کرتے ہیں کہ وہاں سے وہ بہت بڑے سیاست دان بن کر نکلتے ہیں۔

جی ہاں اسی لیے وہ جیلوں کے بارے اکثر ایسے بیانات جاری کرتے رہتے ہیں کہ وہاں کے ماحول میں شریف آدمی جا کر بھی بدمعاش، چور، ڈاکو، اور نشئی بن کر نکلتا ہے۔

”کُن“ دو حروف اور دو جہان۔ چھوٹا سا لفظ اور بے حد و حساب کائنات کو

Marfat.com

گھیرے ہوئے ہے۔ ان دو حروف میں اتنی وسعت ہے کہ خود خدائے وحدۂ لاشریک کے علاوہ ہر شئے اس کی وسعت سے لاعلم ہے۔

شفاعت اور بخشش کی امید اپنی جگہ۔ لیکن شفیع اور بخشنہار سے کوئی ایسا تعلق بھی تو قائم کیا جائے کہ اس لسٹ میں نام درج ہو جائے۔

میں جب سکول آف آرمر میں انسٹرکٹر تھا تو سٹوڈنٹس جب کوئی ایسا سوال کرتے جس کا جواب مجھے معلوم نہ ہوتا تو میں ان سے معذرت کر لیتا۔ لیکن بعد میں اس سوال کا جواب دینا نہ بھولتا۔ کلاس سے واپس آکر ساتھی انسٹرکٹرز کے ساتھ بحث مباحثہ ہوتا۔ متعلقہ کتب کو کھنگالتا، اور کوشش کرتا کہ صحیح اور درست جواب دے سکوں۔ اس سے جہاں یہ ہوتا کہ سٹوڈنٹس کی تسلی ہو جاتی وہاں مجھے بھی اطمینان نصیب ہوتا۔ لیکن ---- میں نے اپنی کم علمی کو کبھی اپنے لیے دردِ سر نہیں بنایا۔ میں نے کبھی غلط در غلط جواب دینے کی کوشش نہیں کی ---- اور میرے خیال میں یہی اساتذہ کا رویہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی لاعلمی کے اعتراف کے ساتھ طلباء کو مطمئن کریں۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ ہر شخص کو اعتراف کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اس سے آپ کی بے عزتی نہیں ہوگی ---- یہ عزت کی بات ہے۔ لوگوں کے دل میں آپ کی قدر بڑھے گی۔ آپ خود بھی تیار ہو کر جایا کریں گے۔ مزید جھوٹی انا اور شرمندگی کے احساس سے بھی بچ جائیں گے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض اپنی مرض بیان نہیں کر سکتا، یا کرتا ہے تو بیان کرنے میں اصل مرض کی روداد سے ہٹ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ڈاکٹر کا فیصلہ غلط ہو سکتا ہے۔ اس غلط علاج سے بچنے کے لیے ڈاکٹر کو مریض کی مکمل تشخیص کرنے کے بعد ہی

Marfat.com

علاج کرنا چاہیے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ مریض کا غلط اوپریشن کر دیا گیا۔ جس سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ اس سے مالی نقصان بھی ہوتا ہے اور ایسی حالت میں جان جانے کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

اسی طرح رُوحانی بیماری کی تشخیص اور اس کا صحیح علاج بھی ضروری ہے، ورنہ حالات کی بیماری سے مریض کو دین اور دنیا کا نقصان اور غلط علاج سے جان تو کجا آخرت کے فائدے سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ جو بھگوان کو خریدتے اور بیچتے ہیں --- وہ کامیاب ہیں اور --- جو اسے اِلٰہ سمجھتے ہیں --- اسے واحد مانتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں وہ ناکام ہو رہے ہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اول الذکر اپنے کاروبار میں مخلص اور آخر الذکر اپنی ذات اور اپنے اِلٰہ کو فریب دے رہے ہیں۔

ماضی ایک ایسی حقیقت ہے جو تمھاری آنکھوں میں موجود ہے اور جب بھی آنکھ بند کرتے ہو تو وہ ایک فلم کی طرح تمھارے سامنے ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنے ماضی سے نظریں چرا کر مستقبل کی طرف بڑھنا بچگانہ سوچ ہے --- حال تو ہے ہی نہیں ---- آنکھ جھپکی اور گیا ---- مستقبل سہانا ہے۔ بشرطیکہ ماضی کا ہاتھ پکڑ کر اگر اس میں داخل ہوا جائے ---- یوں سمجھیے کہ ماضی راستہ ہے۔ حال دروازہ ہے اور مستقبل بند مکان۔ راستے پر چلتے ہوئے دروازے سے گزر کر ہی مکان میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔

ایک انگریز مُفکّر کا قول ہے: "اگر انسان جنگ کو ختم نہیں کرے گا تو جنگ

Marfat.com

انسان کا خاتمہ کر دے گی"۔

(If mankind does not end war, war will end mankind)

ابتدائے آفرینش سے آج تک جنگوں کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن یہ قول شاید گزرے زمانے پر Apply نہیں ہوتا۔ لیکن آج جس دور سے اور جس جنگی جنون اور جنگی ہتھیار کے جس زمانے میں سانس لے رہے ہیں یہ حقیقت نظر آ رہی ہے کہ اگر ہتھیار کی اس دوڑ پر قابو نہ پایا گیا تو جنگ کی صورت میں انسان مٹ جائے گا۔ گویا ضروری ہے کہ جنگ کو ختم کر دیا جائے۔ جنگ کو ختم کرنا جنگ میں اِستعمال ہونے والے جوہری اور تباہ کن ہتھیاروں کے ختم کرنے سے ہے۔

اگر دوستی قائم رکھنی ہے تو دوست کا اِمتحان مت لو۔ اس جانچ پرکھ میں دوستی ختم کر بیٹھو گے۔ یہ رشتے اندھے اعتماد پر قائم ہوتے ہیں۔

جب آپ سے کوئی بحث میں الجھنا چاہتا ہے تو کوشش کیجیے کہ گفتگو کو کم کر دیا جائے۔ اگر آپ بھی بحث پر اتر آئے تو بات بڑھتی جائے گی اور شاید اس کا انجام بخیر نہ ہو اور ---- ہاں ! اگر بات اشتعال تک پہنچتی ہے تو آپ مشتعل نہ ہوں ---- مقابل آخرکار خود ہی نرمی پر اتر آئے گا۔ لیکن اگر آپ بھی مشتعل ہو گئے تو پھر شاید بڑھتے ہوئے جھگڑے کو لڑائی بننے سے کوئی نہ روک سکے۔

گملے میں کبھی سرو و صنوبر نہیں ہوتے
گر ہوں بھی تو وہ چھت کے برابر نہیں ہوتے

Marfat.com

میں کیسے کہوں کہ جھوٹ مت بولو ---- جب کہ میری اپنی زندگی جھوٹ ہی جھوٹ ہے ---- لیکن سچ ہے بہت بڑی دولت ---- ظاہراً شاید نقصان بھی اٹھانا پڑے لیکن اس کا انجام ہمیشہ سود مند ہے۔ اور اس سے قیمتی شئے دنیا میں نہیں ---- شاید اسی حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے ڈزرائیلی (DISRAELI) نے کہا ہو کہ وقت کی بہت قیمت ہے۔ لیکن سچ کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔

Time is precious but truth is more precious than time

ایک عورت ہے جو کسی NGO کو چلا رہی ہے ---- کسی تنظیم کی چیئرپرسن ہے ---- ہیومن رائٹس کے نعرے لگاتی ہے ---- بڑے بڑے جلسوں کی قیادت کرتی ہے ---- میٹنگز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے ---- اتفاق واتحاد اور مل جل کر کام کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ لیکن اسے یہ علم نہیں کہ اس کے بچے کس حال میں ہیں ---؟ اس کے گھر کا نظام کیسے چل رہا ہے؟ اس کے گھر میں موجود بزرگوں کی دیکھ بھال کیسے ہو رہی ہے ---؟ اس کا خاوند اپنے زندگی کے ساتھی کو کتنا مس کر رہا ہے ---؟ کیا وہ عورت کردار اور گفتار میں سچی ہے؟ کیا اس کے قول و فعل میں توازن ہے ---؟ اس خبر اور بے خبری میں اس نے کیا کھویا اور کیا پایا ---؟ آؤ مل کر سوچتے ہیں۔

لہروں کا زور تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب تک کہ تم میں ان سے لڑنے کی ہمت ہے۔ لیکن جب ہمت ہار بیٹھو گے تو کسی غیبی مدد کے آنے سے پہلے سمندر کی تہ میں پڑے ہو گے یا کسی مگرمچھ کا شکار ہو جاؤ گے۔

Marfat.com

ہاں ! یہ مت کہنا کہ ہمت آخر کہاں تک کی جائے ؟

آزمائش ہمت کے آخری ثانیے تک جاری رہتی ہے اور بچانے والا آخری ہچکی پر بھی بچا ہی لیتا ہے۔ اور --- اس کو طاقت ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ رکھے۔

اور ---- یاد آیا ---- کہ موت بھی تو اٹل حقیقت ہے۔ لیکن وہ آخری ہچکی اور آخری ثانیے کے بعد آتی ہے۔

تمھارے اندر ایک کائنات آباد ہے اس میں رہنا --- اسے پرکھنا --- اس سے نمٹنا --- اور اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنا سیکھو ---- باہر کی کائنات کے طور طریقے خود بخود سیکھ جاؤ گے۔

عشق میں یہ دیکھنے کا ہوش ہی نہیں ہوتا کہ گھڑا کچا ہے یا پکا۔

کلی کو کھلنے ---- پھول بننے اور بکھرنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے --- اور جس خوشبو پر اسے اپنے اندر سموئے ہونے کا زعم ہوتا ہے وہ ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ لیکن ان پتیوں سے اگر خوشبو کو کشید کر لیا جائے تو اس کی مہک مدتوں معطر رکھ سکتی ہے۔ ہم ہیں کہ ہر روز منوں کے حساب سے پتیاں ---- خوشی اور غمی پر نچھاور کر دیتے ہیں۔ یوں ایک بہت قیمتی اور دیرپا اثاثہ مٹی کی نذر ہو جاتا ہے۔

کبھی تو نے دریا بننے کی کوشش کی کہ اس کے اندر جتنا کچھ بھی ہوتا ہے اسے دوسروں کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ کسی کا ہاتھ نہیں روکتا۔ لیکن کبھی خالی نہیں ہوا۔

Marfat.com

ٹوٹنے کا عمل ایک نئی طاقت کا پیش خیمہ ہے ---- آپ کسی بھی چیز کا ٹوٹنے سے پہلے اور بعد میں جائزہ لیں تو آپ کو ان میں حیرت انگیز تبدیلی نظر آئے گی۔ لوہا ٹوٹنے کے بعد تلوار بنتا ہے --- سونا ٹوٹنے کے بعد زیور بنتا ہے --- پہاڑ ٹوٹنے کے بعد لاوا اور آگ بنتے ہیں --- ایٹم ٹوٹنے کے بعد توانائی بنتا ہے ---- بیج ٹوٹتا ہے تو تناور درخت بنتا ہے ---- ناگاساکی اور ہیروشیما کے ٹوٹنے سے نئے جاپان نے جنم لیا۔ جرمنی کے ٹوٹنے سے عظیم جرمنی ابھر کر سامنے آیا --- غرضیکہ یہ ٹوٹ پھوٹ کا عمل جہاں ضروری ہو، وہاں قوت اور طاقت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے ---- بشرطیکہ ٹوٹنے کا احساس اور ابھرنے کا جذبہ ہو۔ خدا کرے کہ یہ احساس اور جذبہ بحیثیت پاکستانی ہم میں بھی عود کر آئے۔ کیونکہ ہم بھی ایک بار ٹوٹ چکے ہیں۔

آپ اپنی غربت یا کمتری کو اگر مظلومیت بنا کر پیش کریں گے تو کچھ لوگ آپ سے ہمدردی جتائیں گے اور کچھ --- نہ صرف جھٹلائیں گے بلکہ مذاق بھی اڑائیں گے۔ لیکن اگر اسے آپ اپنے لیے ایک چیلنج سمجھیں اور جن کو آپ اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں ان کے مقابلے کے لیے اپنے آپ کو کمربستہ کرلیں تو بعید نہیں کہ کل آپ ان کو Meet کر کے ان کے برابر کھڑے ہوں، یا ان سے بہتر ہوں --- پس آپ اپنی سوچ کے زاویے کو بدلیں اور خود کو مظلوم نہ بنائیں۔ بلکہ مقابلے کے لیے تیار کریں۔

اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر نیچے دیکھو گے تو اپنے نیچے والوں پر نظر پڑے گی۔ آپ ان سے بات چیت اور رابطے میں مصروف ہوں گے تو وہ اپنی آواز آپ تک پہنچانے یا آپ تک رابطہ رکھنے کے لیے ایڑی اٹھائیں گے۔ اس سے آپ میں خود اعتمادی اور

Marfat.com

بڑا پن ظاہر ہو گا۔

آپ نے ڈائس پر کھڑے مقرر یا منبر پر بیٹھے واعظ کو دیکھا ہو گا، وہ بیٹھے ہوئے لوگوں سے تھوڑا اونچا ہوتا ہے ---- تمام لوگ اسی کو سن رہے ہوتے ہیں اور وہ خود اعتمادی سے بول رہا ہوتا ہے۔ لیکن اگر عوام اوپر بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں اور اسے نیچے بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر بات کرنا پڑے تو وہ بہت تھوڑی دیر کے لیے بول سکے گا۔ جس میں وہ اعتماد نہیں ہو گا۔ لیکن آپ اپنے سے اوپر والوں پر ہی اگر نظر مرکوز کر دیں تو سر اٹھا کر دیکھنے سے نظر میں تھکاوٹ اور گردن میں تناؤ پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی دستار کے گرنے کا بھی خطرہ ہے۔ اور دستار آپ کو علم ہے کیا ہے ---؟ مزید ان تک پہنچنے کے لیے آپ خود کو کمتر سمجھتے رہیں گے۔ پھر شاید ---- کیا حربے استعمال کریں اور کن بیساکھیوں کا سہارا لیں۔ جو آپ کو شاید کچھ عرصے کے بعد برداشت نہ کر سکیں۔ خود بھی ٹوٹ جائیں اور آپ کو بھی گرا دیں۔ تب آپ دیکھیں گے کہ دوسروں کے قدموں میں سر پڑا ہوا ہے۔ اوپر اور نیچے دیکھنے کے اس فلسفے پر غور کیجیے اور فیصلہ کیجیے کہ کس میں آپ کی بہتری، عزت اور آپ کے لیے آسانیاں ہیں۔

جب تک انسان میں خدا کا خوف ہے وہ انسان ہے۔ جب دل سے اس کا ڈر مٹ گیا، اور ذہن اس کے انصاف کو بھول گیا تو پھر انسان نہیں بلکہ حیوان بن جاتا ہے۔ ایک درندہ صفت۔

زندگی ایک گاڑی ہے جس میں آپ بحیثیت ڈرائیور بیٹھے ہیں، اور چلا رہے ہیں۔ آگے آپ کے ---- آنے والا زمانہ ہے۔ پیچھے ماضی ہے۔ مگر میں آپ گاہ بگاہ پیچھے کی طرف بھی دیکھ لیتے ہیں تا کہ اچانک کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔ اگر آپ اپنے

Marfat.com

گزرے ہوئے راستے کو مرر میں سے نہیں دیکھیں گے تو بے خیالی میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تھوڑا سا گاڑی ادھر ادھر ہوئی اور پیچھے آنے والی تیز رفتار گاڑی سے ٹکر ہو گئی --- یا پھر آپ نے پیچھے والوں کا راستہ ہی روک دیا۔ اور آپ جانتے تو ہیں کہ مرر کا گاڑی میں نہ لگوانا قانوناً جرم ہے۔ اور اس کا استعمال نہ کرنا بھی میرے خیال میں اتنا ہی جرم ہے۔ لہٰذا آگے اور پیچھے ہر سمت نظر رکھ کر گاڑی چلائیے، محفوظ رہیں گے۔

میں نے ہسپتال میں دیکھا تو وہاں دوائیاں نہیں تھیں۔ ڈاکٹر کافی تھے۔ بستر نہیں تھے۔ کمرے کم تھے، سٹاف نہیں تھا --- اور جب ایگلو میں گیا تو وہاں ہر طرف امیونیشن ہی امیونیشن تھا۔ بارود ہی بارود --- سرحد پر گیا تو سپاہی جذبے سے سرشار اور ہتھیار تھامے لڑائی کے لیے تیار۔ لیکن جب ان کے راشن سٹور پر نظر پڑی تو صرف تین دن کا راشن موجود --- اور پھر نجانے میں کن سوچوں میں کھو گیا۔

سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس سے جابر کون ہے ---؟ کوئی نہیں --- پھر تو کس مخمصے میں پڑا ہے ---؟ وہ تجھے دے رہا ہے --- دیتا رہے گا --- یہ اس کا وعدہ ہے --- اور وہ --- آپ کو پتا ہے کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تو خود کیا کرتا ہے ---؟ کچھ بھی نہیں --- وہ خود تجھ سے کرواتا ہے --- کرواتا رہا ہے --- اور جب تک چاہے گا کرواتا رہے گا۔

جب بھی تو اس کی منشا اور مرضی کے خلاف چلے گا، گھاٹے میں رہے گا --- اور اس نے یہ فرما دیا ہے کہ: "انسان گھاٹے میں ہے" --- لیکن وضاحت بھی کر دی کہ کون گھاٹے میں ہے --- کوشش کر کہ ان گھاٹے والوں میں سے نہ بن --- اس کی رضا پر شاکر رہ --- بھوکا نہیں مرے گا --- اسی کا محتاج رہ۔ وہ دے گا۔ لیکن

Marfat.com

یاد رکھ --- جب کسی انسان کا محتاج ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے وہ بھی اپنا ہاتھ کھینچ لے۔

چند بچوں نے ایک "بلونگڑے" کو کمرے میں بند کر دیا' اور اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ بے چارا ہر طرف بھاگا' اوپر کی سمت بھی چھلانگیں لگائیں۔ لیکن نجات کا کوئی راستہ نہ پا کر ایک بچے پر جھپٹا اور نوکیلے پنجوں سے بچے کی آنکھ زخمی کر دی۔ اب سب بچوں کو اپنی پڑ گئی۔ انھوں نے دروازہ کھولا اور "بلونگڑا" بھاگ گیا۔

دیکھیے کسی کمزور کو اتنا تنگ مت کیجیے کہ وہ اپنی نجات کے لیے آپ کو اندھا ہی کر دے۔

سکواش کے عالمی چیمپئن جہانگیر خان کو بچپن میں ڈاکٹروں نے بیماری کے باعث کھیل کود اور زیادہ محنت مشقت سے منع کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بھاگ دوڑ سے اس کی جان کو خطرہ ہے۔ لیکن جہانگیر سب سے چھپ کر اپنے شوق کو پورا کرنے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کھیلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نہ صرف عالمی چیمپئن بنا بلکہ کئی ریکارڈز قائم کیے۔ فوج میں چپٹے پاؤں والے جوان کو بھرتی نہیں کرتے۔ اس وجہ سے کہ وہ دوڑ نہیں سکتا۔

شعیب اختر دنیا کا تیز ترین باؤلر ہے۔ اس کے پاؤں چپٹے ہیں' اور ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق ایسا آدمی تیز نہیں دوڑ سکتا۔ اب آپ کے سامنے ہے --- کہ اس نے تیز ترین باؤلر کا اعزاز جب پایا تو اس کی اپنی دوڑ کی رفتار بھی تو کچھ ہو گی۔

بہرحال ہمت' حوصلہ' اور کچھ پانے کی لگن انسان کو اس مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں جہاں ناممکن ممکن بن جاتا ہے۔

Marfat.com

نفس پر قابو رکھ مطمئن رہے گا۔

ایک شخص دوسرے شخص سے کہہ رہا تھا کہ: "میں اپنے فن میں یکتا ہوں"۔ ---پاس سے ایک بے وقوف گزرا۔ اس نے سنا تو زور سے قہقہہ لگایا' اور آگے بڑھ گیا---چند قدم کے فاصلے پر اسی طرح دو دوست گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "میں بہت کچھ سیکھ چکا ہوں اور بہت کچھ سیکھ رہا ہوں"۔---- بے وقوف نے اسے بڑے غور سے دیکھا۔ مسکرایا' اور آگے بڑھ گیا۔ چند قدم ہی گیا تھا کہ پھر دو شخص اسے کھڑے ہوئے دکھائی دیے۔ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ تمھاری تو جگ میں دھوم ہے۔ تم تو بہت بڑے آدمی ہو گئے ہو' اور دانشوری میں تمھارا ایک مقام ہے۔ دوسرے شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ سر جھک گیا' اور کہنے لگا: "بھائی جی! میں تو ابھی تک کچھ نہیں جانتا۔ بس سیکھنے اور سمجھنے کی جستجو میں ہوں"۔

بے وقوف وہاں کھڑا ہو گیا' اور ان دونوں سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہی گفتگو میں شامل ہو گیا۔

گولی سے بچاؤ کو پنہ گاہ جو ڈھونڈیں
ثابت وہ کبھی اچھے کمانڈر نہیں ہوتے

جب تم بات کر رہے ہو اور مخاطب غور سے نہ سن رہا ہو تو بہتر ہے بات ادھوری چھوڑ دو۔ مت کرو۔ خواہ اس کے فائدے ہی کی ہو۔

Marfat.com

کسی کو عظمت کے مینار پر کھڑے دیکھ کر پہلے اس مینار تک پہنچنے کے راستے کا جائزہ لیں۔ دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس شخص نے اس اونچائی تک پہنچنے کے لیے انسانیت کا قتل کیا ہو۔ سروں کی سیڑھیاں بنائی ہوں --- لوگوں کے احساسات و جذبات کچل کر راہ ہموار کی ہو۔ راستے میں آنے والی جھونپڑیوں کو گرایا ہو۔ بچوں کو یتیم، غریبوں کو بے گھر اور عزتوں کو پامال کیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس مینار پر چڑھنے سے بہتر ہے کہ آپ مقام ابتدا پر ہی کھڑے رہیں اور کوئی ایسا راستہ تلاش کریں جس میں انسانیت محفوظ رہے۔ آدمیت قائم رہے۔ لوگوں کی خوشیاں برقرار رہیں ---- یہی ہوگا، ناں! کہ آپ کو نئی راہیں تلاشنی پڑیں گی۔ لیکن اس سے جب آپ مینار پر پہنچیں گے تو وہ مینار آپ کے لیے مستحکم اور پائیدار ہوگا۔ کسی سر کے کھسک جانے کا خوف، یا سیڑھی کے گرنے کا خدشہ نہیں ہوگا۔

موت سے بچنے کے لیے کب تک زندگی کو زرہ پہنائے رکھو گے۔ آخر موت کے تیر نے جب آنا ہے تو وہ کڑیاں توڑ کر بھی چھاتی میں پیوست ہو جائے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کی طرح میدانِ جنگ میں بھرو اور اس وار کا انتظار کرو جو تمھیں ابدی زندگی سے ہم کنار کر دے۔ اگر ایسا نہ ہوسکے تو بستر مرگ پر اس ابدی زندگی کے حصول کی ناکامی کا پچھتاوا بھی ایک زندگی کی علامت بن جائے گا۔

کوئی ایسا کام نہ کرو کہ محبوب کے سامنے جانے پر شرمندگی اٹھانا پڑے، اور سوچو اگر ایسا کرو گے تو محبوب کا سامنا کرنے کی جرأت کیسے کر پاؤ گے۔

Marfat.com

دریا کا پانی دو پہاڑوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ان سے ٹکرا کر شور تو مچاتا ہے لیکن انھیں توڑ نہیں سکتا۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ لیکن سمجھتا نہیں ---- ورنہ وہ اس امتحان گاہ کو یوں معمولی نہ لے۔ یہاں جو پرچے حل کر رہے ہیں اور نقل سے کام لے رہے ہیں ان کی ہر حرکت اور چوری ریکارڈ میں آرہی ہے۔ کیونکہ یہاں کا سپرنٹنڈنٹ اور انوِجیلیٹرز سارے کے سارے چھپے بیٹھے ہیں، اور دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم چوری اور نقل سے اجتناب کریں، اور اپنی سوچ اور علم کے مطابق پیپر حل کریں۔ مزید یہ کہ تیاری بھی کریں، تاکہ جب نتیجہ سنایا جائے تو مایوسی نہ ہو۔

اس تاج اور تخت کا کیا فائدہ جو تمھیں ایک پل کا سکون اور ایک مخلص دوست نہ دے سکے۔ تجھ سے بہتر تو وہ فقیر ہے جو سکون کی نیند سوتا ہے اور جسے خلوص سے چاہنے والے لوگ بہت بڑی تعداد میں دنیا میں موجود ہیں۔

آپ ایک بہت بڑے آئینے کے سامنے کھڑے ہیں۔ آپ جس انداز میں کھڑے ہیں، آئینے میں آپ کو وہی شکل دکھائی دے رہی ہے۔ اگر آپ ننگے ہیں تو خود کو ننگا ہی دیکھیں گے، اور اس ننگے پن سے ---- اگر فوری نہیں چند لمحے بعد آپ کو ضرور گھن آنے لگے گی۔ اور آپ اپنے آپ سے شرمانے لگیں گے۔ انسان کا ضمیر بالکل آئینے کی طرح ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم غلط کام کر رہے ہوں اور ضمیر ہمیں شرمندہ نہ کرے۔ کہیں ایسا تو نہیں ---- کہ ہم نے ضمیر کے آئینے میں کبھی جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

Marfat.com

اے معتقدو! انسان کو انسان ہی رہنے دو، اسے مسندِ خدائی پر مت بٹھاؤ۔ عزت و توقیر ان کا حق ہے، لیکن ان کی پوجا نہ کرو۔ انھیں عبادت کے لائق نہ سمجھو۔۔۔۔۔ اس طرح وہ اپنے انسان ہونے کے مقام سے بھی گر جائیں گے۔۔۔۔۔ وہ انسانیت بھی گنوا بیٹھیں گے اور کسی شمار میں نہیں رہیں گے۔۔۔۔ اس کے ساتھ ہی آپ جس خسارے میں پڑیں گے اس کا شاید آپ کو علم نہیں۔۔۔ یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ جس کا اندازہ انسان بن کر ہی لگایا جاسکتا ہے۔ وہ انسان جسے خالقِ کائنات نے احسنِ تقویم فرمایا ہے۔

سوچو! اس ذاتِ باری تعالیٰ نے تمھیں اپنی تمام مخلوقات سے افضل اور احسن پیدا کیا، اور تم اس کے مقابلے میں اسی کی تخلیق کو کھڑا کر رہے ہو۔

جو تمھیں ماضی کو بھلانے کے مشورے دیتے ہیں ان سے پوچھیے کیا وہ خود اپنا ماضی بھول چکے ہیں۔ اگر کہیں "ہاں" ۔۔۔ تو جھوٹ ہے۔ ان کی بات پر یقین نہ کیجیے۔ اپنے دل میں سوچیے کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ انھیں اپنے ماں باپ کا نام بھی یاد نہ ہو۔ اپنے دوست واحباب کا بھی علم نہ ہو۔۔۔ نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔

اپنی غلطی تسلیم کرنا انسان کو چھوٹا نہیں بلکہ بڑا بناتا ہے۔۔۔۔ آپ غلطی کرتے ہوئے پچھتائیے۔ تسلیم کرتے ہوئے نہیں۔۔۔ تسلیم کرلینے میں عظمت ہے۔۔۔ لیکن وائے افسوس کہ ہم اپنی غلطیاں بھی دوسروں کے سر منڈھ دیتے ہیں۔ اور ان کے درست رویے کو غلط کہنے میں کوئی سبکی محسوس نہیں کرتے۔۔۔۔ پھر یہی نہیں۔۔۔ اپنی غلطی پر اتراتے ہیں اور بن پڑتا ہے تو بڑے فخر سے دوسروں سے کہہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ غلطی ہی غلطی کو جنم دیتی ہے اور اس سے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ

Marfat.com

ایک افسر فارن کورس کی سلیکشن کے سلسلے میں انٹرویو دینے گیا۔ جونہی بڑے صاحب کے کمرے میں داخل ہوا، سلام عرض کیا۔ صاحب نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک، دو تین چار ---- کئی سوالات انگریزی میں انگریزی کے بارے پوچھے گئے۔ جن کے معقول جوابات سے صاحب مطمئن ہوتا رہا۔ آخر میں اس نے ایک سوال اسلامی حوالے سے کیا۔ امیدوار صاحب کا مُنہ دیکھنے لگا---- اور پریشانی و پشیمانی کے عالم میں کہا :

Sorry Sir I do not Know about it

صاحب نے کہا :

Thank You. you may go

اور آواز دی Next

جب نتیجہ سامنے آیا تو وہ امیدوار کامیاب قرار پایا گیا۔ کیونکہ اس سے آخری سوال جو پوچھا گیا تھا وہ بالکل معمول اور غیر اہم تھا، جس کا اطلاق آفیسر کی موجودہ زندگی پر نہیں ہوتا تھا۔ مزید یہ کہ وہ انگریزی میں طاق تھا۔

انٹرویو کے دوران جو آخری سوال پوچھا گیا وہ تھا---- سورۃ اخلاص سنائیے۔

بہتر یہی ہے کہ اپنی کوششیں جاری رکھو۔ لیکن جب یہ محسوس کرو کہ تمہاری کوششوں کو تمہاری کمزوری سمجھا جا رہا ہے تو پھر---- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر جہاد اور قتال کا حکم صادر فرمایا ہے۔

میں اپنے ایک دوست کے پاس اس کے pco میں بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ

Marfat.com

معاشرے کی تباہی کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔

خود میں تسلیم کی خو ڈالیے اور اپنی ذات کی غلطی کو غلط کہہ کر بے شک سر اٹھا کر چلیے۔

جب بھی ہمارے مذہبی رہنما اکٹھے ہو گئے اس ملک سے اسلام دشمنی کا کانٹا نکل جائے گا۔

ہمارے ہاں ایک وڈیرے نے کسی غریب گھرانے کی عزت سے کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ بہت کمزور تھے۔ وڈیرا زور آور تھا۔ آخر ایک دن برداشت کی حد ہو گئی اور اس کمزور خاندان میں سے ایک شخص نے کسی طرح دیوار پھلانگ کر وڈیرے کے کمرے تک رسائی حاصل کر لی اور پھر۔۔۔! چھری کے پے در پے وار کر کے اس کی دونوں آنکھیں نکال لیں۔

ہر زبردست کو چاہیے کہ وہ زیر دستوں کو اس نوبت تک نہ پہنچنے دے، بلکہ انسانی رویے کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اسی میں اس کی عزت، طاقت اور زندگی ہے۔

دشمن سے مدمقابل ہونے سے پہلے اسے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نہ صرف ظاہری بلکہ باطنی طور پر بھی۔ ظاہراً اس کی انفرادی اور اسلحاتی طاقت، جب کہ باطنی اس کی پالیسیاں، منصوبے اور ٹیکٹکس ہوتے ہیں۔

سوچنا ظلم کو ہتھیار اُٹھانے سے یہ قبل
اسی آہن سے بنا کرتی ہیں زنجیریں بھی

Marfat.com

آئے۔ ٹیلی فون کیا اور پھر بیٹھ گئے۔ چند لمحوں بعد مجھ سے پوچھنے لگے :

"آپ کون ہیں؟"۔

میں کیا جواب دیتا--- نام بتاتا، کاسٹ بتاتا، انسان کہتا، یا کیا؟--- آخر یہی کہا کہ میں مُسلمان ہوں۔

وہ کہنے لگے : نہیں۔ مُسلمان تو ماشاء اللہ ہم سب ہیں۔ آپ کا مسلک کیا ہے؟ شیعہ، دیوبندی یا بریلوی وغیرہ۔

میں نے ان کی دس انچ کی داڑھی کو دیکھا۔ سفید بالوں کو دیکھا، اور پھر مختصراً وہی جواب دہرا دیا۔

جی ! میں مُسلمان ہوں۔

وہ شاید مجھے مُسلمانوں کی صف سے خارج کرنے پر بضد تھے۔ فرمانے لگے :

نہیں ! ---- جیسے میں دیوبندی ہوں، اس طرح آپ کیا ہیں؟

میں نے پھر وہی عرض کیا--- باباجی ! میں تو بہر حال مُسلمان ہوں۔

کچھ دنوں کے بعد میں پھر اسی جگہ پر بیٹھا تھا تو ایک بزرگ آئے۔ ان کی کلائی میں بڑے بڑے کڑے، انگلیوں میں انگوٹھیاں، جن کے نگینے رنگ برنگے بڑے بڑے تھے۔ سیاہ لباس، بڑے بڑے بال اور ایک عجیب سی ہیئت بنا رکھی تھی۔

فون کیا، اور پھر باتیں کرنے لگے۔ انھوں نے بھی مجھ سے وہی سوال کیا۔

جی ! آپ کون ہیں؟

میں نے وہی جواب دیا۔ یعنی "مُسلمان"۔

انھوں نے اپنا سوال دہراتے ہوئے "یا علی مُشکل کشا" کا نعرہ لگایا :

مجھے بھی اس نام سے بہت محبت ہے اور حضرت علیؓ میرے جدِ امجد ہیں۔

لیکن یہ نعرہ سن کر سوچنے لگا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں---- یہ سب کیا ہے

Marfat.com

---- ہم خود کو مُسلمان کہلوانے سے کیوں شرماتے ہیں؟---- یہ فرقہ بندی ---- تعصب ہماری رگوں میں خون بن کر کیوں دوڑ رہا ہے؟ ---- کیا ہمارے مولوی، علمائے کرام، شیوخ کیوں تفرقہ اور تعصب پھیلانے کے لیے دوسری قوموں کے ہاتھوں بکے ہوئے تو نہیں۔ کیونکہ اسلام اور مُسلمانوں کو ختم کرنے والی طاقتیں ایسے مواقع ہی تو تلاش کرتی ہیں۔ ان کی نظر میں ہم سب مُسلمان ہیں۔ لیکن وہ ہمیں علیحدہ علیحدہ کر کے ہمیں آپس میں لڑا کر اپنا مقصد حاصل کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنا کرم و رحمت ہم پر نازل فرمائے۔ ہمیں مُسلمان بننے اور صرف مُسلمان رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی امان میں رکھے۔ (آمین)

بیٹی اللہ کی رحمت اور بیٹا اس کی نعمت ہوتا ہے۔ میں کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ مجھے رحمت سے زیادہ نعمتوں سے نوازا گیا۔ لیکن پھر اس کی بارگاہ میں سر جھکا دیتا ہوں کہ میں ان لوگوں سے کئی درجہ خوش قسمت ہوں جن کو یا تو صرف نعمتیں ملی ہیں یا صرف رحمتیں ---- لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جن کو نہ رحمت اور نہ ہی نعمت عطا کی گئی ---- لیکن ایک بات جو شرط بن گئی ہے کہ اس رحمت اور نعمت کو آپ اپنے لیے نعمت اور رحمت بنا بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ ان کی تربیت ہی رحمت و نعمت بنانے میں مدد ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پھر اللہ کی بارگاہ میں سر جھکانا پڑتا ہے کہ الٰہی ہمیں اس کی بھی توفیق عطا فرما۔

دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو دنیا سے الگ کھڑا کر کے دنیا کی آنکھ سے دیکھو۔ تمھیں اپنی حیثیت کا خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی کو نا امید یا مایوس نہیں کیا۔ وہ بتوں کی پوجا کرنے والوں کو

Marfat.com

بھی عطا کرتا ہے۔ درختوں کے پجاریوں کو بھی دیتا ہے۔ جو کسی حوالے سے بھی اس کو نہیں مانتے ان کو بھی دیتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو بھی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس شخص کو بھی مایوس نہیں فرماتا جس نے بلند مینار پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کو نعوذباللہ مارنے کے لیے آسمان کی طرف تیر چلایا تھا۔ اور اس شخص نے سمجھا کہ نعوذباللہ اس نے اللہ کو قتل کر دیا ہے ---- لیکن اس کم علم کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے یہی قطرۂ خون ہی مانگا تھا، جو اللہ رب العزت نے اسے عطا فرما دیا۔

میں موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔ سڑک کی حالت بہت خستہ تھی۔ اور گندہ پانی بھی وہاں کھڑا تھا۔ مجھے ذاتی طور پر تو بہت تجربہ ہے کہ بچ کر اور بچا کر کیسے گزرنا ہے۔ سڑک کے کنارے تین آدمی پیدل جا رہے تھے۔ ایک کار آئی اور تیز رفتاری سے چھینٹے اڑاتی ہوئی گزر گئی۔ وہ گندہ پانی پیدل چلنے والوں کو نہلا گیا۔ اور میں سوچنے لگا کہ کار والے کو اللہ رب العزت نے کتنی عنایات سے نوازا ہے لیکن اتنا شعور نہیں دیا کہ گاڑی کیسے چلانی ہے، تا کہ دوسرے لوگ زیادتی سے محفوظ رہیں ---- یہ تو آئے روز رہتا ہے مٹی گرد اڑا جانا۔ حتیٰ کہ ایک آدھ سائیکل سوار کو کار کے نیچے دے دینا بھی ان کے لیے کوئی دکھ کی بات نہیں۔ بلکہ ہم نے اکثر دکانداروں کو دیکھا کہ دکان کے سامنے پائپ لے کر پانی کا چھڑکاؤ کر رہے ہوتے ہیں۔ پیدل چلنے والے، سائیکل سوار، موٹر سائیکل سوار ان کے پانی کی چھینٹوں کی زد میں اکثر آتے ہیں۔ سڑک سے پانی اٹھتا ہے اور راہگیروں کے کپڑے پلید کر دیتا ہے۔ ان پانی چھڑکنے والوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ان راہ چلتے لوگوں میں سے کئی لوگ نماز بھی پڑھتے ہوں، یا کم از کم کپڑے پاک رکھنے کا اہتمام کرتے ہوں گے۔ لہٰذا اگر انھیں بچا دیا جائے تو نیکی بھی ہے اور کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا۔

Marfat.com

گاڑی کو اگر بہت تیز چلاؤ گے تو ہو سکتا ہے قابو میں نہ رہے اور کسی دوسری شے سے جا ٹکرائے۔ اگر بہت آہستہ چلاؤ گے تو ممکن ہے کوئی تیز رفتار گاڑی تمھاری گاڑی سے آ ٹکرائے۔ دونوں صورتوں میں تمھارا ہی نقصان ہو گا۔ زندگی ایک گاڑی ہے۔ اور آپ اس کے ڈرائیور۔ اسے اتنا تیز نہ چلائیے کہ بے قابو ہو جائے۔ مزید یہ کہ انجن میں پسٹن کی تیز حرکت سے فرکشن بھی زیادہ ہو گی۔ اور رنگ پسٹن جلدی گھس جائیں گے ---- لیکن نہ ہی اسے اتنا آہستہ چلائیے کہ ہر کہ دمہ اوور ٹیک کر جائے یا آ کر ٹھوکر لگا دے۔

میں صبح بیٹی کو سکول کے لیے لے جانے لگا تو میرا چھوٹا بیٹا جس کی عمر اس وقت دو سال کے لگ بھگ تھی موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔ جب بیٹی کو سکول میں چھوڑ کر واپس لوٹے تو بیٹے نے مجھ سے پوچھا: پاپا! باجی کدھر ہے؟

میں نے کہا: وہ سکول چلی گئی ہے۔

پھر نعیم کدھر ہے؟ (نعیم میرے بڑے بیٹے کا نام ہے)

وہ گھر ہے۔

تو پھر میں کدھر ہوں۔

اس سوال نے مجھے حیران کر دیا ---- شاید یہ سوال میرے اندر سے اٹھا تھا کہ "میں کدھر ہوں؟"۔

واقعی میں کدھر ہوں۔ میں تو گم ہو چکا ہوں۔ کوئی پتا نہیں ---- پیٹ اور ہوس کے جھنجھٹ نے مجھے لاپتا کر دیا ہے ---- کاش مجھے پتا چل جائے کہ میں کدھر ہوں، تو پھر میں خود ہی اپنے خالق و رازق کو بھی ڈھونڈ لوں گا۔

Marfat.com

آپ حسد کی آگ میں کیوں جل رہے ہیں۔ کیا اس سے کوئی فائدہ ہے ----
اس سے آپ نے اپنی زندگی کو تو روگ لگالیا لیکن یہ نہ سوچا کہ جس سے حسد کر رہے ہو وہ تو خوش و خرم زندگی گزار رہا ہے ---- اس سے آگے نکلیے ---- رشک کیجیے اور اس کے مقابل آنے کی تگ و دو میں زندگی گزاریے ---- حسد کی آگ میں جل کر نہیں۔

دانشور اس آزاد پنچھی کی طرح ہے جس کی پرواز کی کوئی سمت متعین نہیں۔ اور جو سوچ کے جہان میں ہر طرف اپنی اڑان کے جوہر دکھاتا ہے' جہاں تک کہ سوچ دینے والا اسے لے جائے۔

ہاں ! یہ پابندی ضرور عائد ہوتی ہے کہ ---- اس سمت اڑ کر جائے۔ جدھر اس کے لیے دانے دُنکے کے ساتھ ساتھ دام سے بھی بچاؤ ہو۔

حقیقت کو تسلیم کر لینا ہی حقیقت کا ساتھ دینا ہے ---- جیسے آپ شکست کو نہیں مانیں گے تو آنے والے وقت میں فتح حاصل نہیں کر سکتے۔ فتح پانے اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنی ناکامیوں کو ہمیشہ ذہن میں رکھا جائے اور انہی سے راستے کا تعین اور منزل کا انتخاب کیا جائے۔ یہی بہتر اور خوش آئند وقت کی دلیل ہے۔

ہاں ! ہار کو ماننے کا طریقہ آنا ضروری ہے۔ آپ کو جاننا چاہیے اور اگر نہیں جان سکتے تو غور کرنا چاہیے کہ شکست کس طرح تسلیم کرنی ہے۔

جب تک حرکت برقرار رہتی ہے حرارت رہتی ہے اور جب حرکت ختم ہو جائے تو حرارت بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے' اور پھر لوگ اسے مردہ سمجھنے لگتے ہیں۔

Marfat.com

بند کمرے میں کسی کو زور سے آواز دو گے تو بازگشت ہی سنو گے۔

محنت اور لگاتار محنت نانبائی کے بیٹے کو کلوروفارم کا موجد، کاشتکار کے بیٹے کو ملک کا سب سے بڑا وکیل، چرواہے کو بادشاہ کا منظورِ نظر، ایک غلام کو ملک کا بادشاہ، سپاہی کو کمانڈر انچیف، ایک مزدور کو بہت بڑا ڈکٹیٹر اور نہ جانے کس کو کیا بنا دیتی ہے اور کسے کہاں سے اٹھا کر کہاں پہنچا دیتی ہے ----- لیکن شرط ہے کہ مشکلات سے ٹکرانے کا حوصلہ و عزم موجود ہو۔

آزادی ایک پابندی سے نکل کر دوسری پابندی میں آنے کا نام ہے۔ ممکن ہے نئی پابندی پہلی پابندی سے بھی سخت ہو۔ لیکن دل کی قبولیت ہے کہ اسے قبول کر لیا، اور پہلے والی کو رد کر دیا۔

جہانگیر جہاں عدل میں مشہور تھا، وہاں نور جہاں سے اس کی محبت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ محبوبہ کو حاصل کرنے کے لیے نجانے اس نے کیا کیا جتن کیے ----- اور کہنے والے کہتے ہیں کہ شیر افگن کو مہم پر بھیج کر مروانے کا منصوبہ بھی اس نے نور جہاں کو حاصل کرنے کے لیے بنایا تھا ---- خیر یہ ایک الگ بات ہے ----

شادی کے بعد ایک دفعہ نور جہان نے کسی بات پر جہانگیر سے شکایت کی ----

ہاں ! یہ وہ دور ہے جس کے بارے مؤرخ لکھتے ہیں کہ عملاً حکومت نور جہان ہی کر رہی تھی۔ جہانگیر نے شکایت سنی اور محبت کی ایک انتہا کے باوجود جواب دیا :

جاناں ! جاں بتو دادم نہ کہ ایمان

Marfat.com

یہ الفاظ اس عاشق کے تھے جو معشوق کے لیے جان تک دینے کو تیار تھا۔ لیکن آج کل ہم جان کے لیے ---- نہیں نہیں ---- بلکہ معمولی سے ایک مالی فائدے کے لیے ایمان کو بیچ دیتے ہیں ---- واہ رے ! ہمارا دین سے محبت کا عالم۔

عقلمند کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اندر تلاش کرو ---- لیکن مسئلہ تو ہمارے سامنے اس اندر کی تلاش کا ہے۔

کامیاب لوگوں کے بارے جب پڑھتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ اکثر ان میں سے وہ ہوتے ہیں جو مسائل میں الجھے اور وسائل نہ ہونے کی وجہ سے پریشانیوں سے ہم کنار اور مسدود حالات کا شکار رہے۔ لیکن وسائل کی کمی اور مسائل کی زیادتی ان کے لیے زینہ ثابت ہوئیں اور وہ ہمت و محنت سے کام لے کر کامیابیوں کے مراحل طے کرتے رہے ---- آپ بھی ان پریشانیوں اور مسائل میں الجھ کر بیٹھ رہنے کی بجائے ان کا حل سوچیے۔ مقابلہ کیجیے ---- کامیابی آپ کے قدموں میں ہوگی ---- آپ بھی اس مقام پر پہنچ سکتے ہیں جس میں آپ کو خواہش ہے۔

لیکن آپ پر لازم ہے کہ مسئلوں اور پریشانیوں کو اِستعمال کریں۔ ضائع نہ ہونے دیں۔

بگولے میں زندگی کے جوش کا پیغام ہوتا ہے۔

میں نے کبھی نہیں سوچا کہ فلاں تو لکھ پتی ہے، میرے پاس بھی لاکھوں ہونے چاہییں، یا فلاں تو کروڑوں کا مالک ہے، میرے پاس بھی اتنی جائیداد ہونی چاہیے۔ بلکہ

Marfat.com

اللہ رب العزت سے دعا ہوتی ہے کہ مجھے کسی کا محتاج نہ کرے۔ اپنے خزانے سے جو دو چار روپے میرے مقدر میں لکھے ہیں مجھے عطا کرے۔ لیکن صبر و شکر کے ساتھ۔۔۔ میری دعا ہوتی ہے کہ یا رب العالمین! مجھے اپنی رضا پر صابر و شاکر رہنے کی توفیق عطا فرما ۔۔۔ اور ہاں! یہ شاکر جو میں نے تخلّص ۔۔۔۔ ابتداء میں اختیار کیا تھا، تو میں شعر و ادب سے نابلد تھا۔ لیکن یہ بھی اسی کی عطا ہے۔ اور آج اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں بڑے سکون سے ہوں۔۔۔ میں نے کبھی اپنے سے اوپر والوں پر نظر نہیں رکھی۔ بلکہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھتا ہوں۔ میں شیخ سعدیؒ کے اس قول پر پابند ہوں کہ: "یا رب العالمین! شکر ہے تیری ذات پاک کا کہ مجھے پاؤں تو دیے ہیں۔ کیا ہوا اگر جوتیاں نہیں تو"۔

اس سے یہ مطلب نہیں کہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہوں۔۔۔ جو بھی ہوتا ہے وہی اس کی توفیق عطا فرماتا ہے۔۔۔ لیکن اطمینان و سکون کی زندگی ایک ایسی نعمت ہے کہ میں جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔۔۔

آپ بھی اس طرح سوچیے۔۔۔ اور کر کے دیکھیے۔۔۔ زندگی بڑے اِطمینان سے گزرے گی۔

کسی کی ذات سے مخلص کبھی نہیں ہوتا
وہ شخص جو کہ سدا مبتلا حسد میں رہے

بھڑکتے شعلوں کے دوسری جانب کی چیزیں بھی دہکتی اور جلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

وہ شخص ایک چھوٹی سی لنگوٹی باندھے دنیا جہان سے بے خبر ہر وقت سر نیہوڑائے پھرتا رہتا ہے، سردیوں میں سردی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی اور گرمیوں میں

Marfat.com

گرمیاں اسے نہیں ستاتیں۔ جہاں نیند آتی ہے زمین پر لیٹ جاتا ہے اور سر کے نیچے داہنا بازو رکھ کر اسی سرہانے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سو جاتا ہے۔ اس کے پاؤں میں کانٹے چبھتے ہیں نہ کنکر۔ یخ زمین برفاتی ہے نہ تپتی ریت گرماتی ہے۔ وہ اپنے حال میں خوش ہے۔ ارد گرد کیا ہو رہا ہے اسے کوئی پرواہ نہیں۔ ایسے ---- جیسے وہ اس کائنات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ لیکن حقیقت میں وہ ارد گرد کے بارے میں سب کچھ جانتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو علم عطا کیا ہے اس کے بارے ہمیں شمہ بھر بھی علم نہیں۔ ہم اس سے بابلد ہیں ---- لیکن افسوس ---- کہ سمجھتے اسے لاعلم ہیں ---- ہے ناہماری بے وقوفی کی انتہا کہ ہم علم والے کو لاعلم اور بے علم سمجھتے ہیں۔

انتقام کو ذہنوں میں مت پالیے ---- زندگی بہت قیمتی ہے ---- دوسرے کی ہو یا آپ کی اپنی ---- بلکہ سوچیے کہ ہم جس رہبر کی تقلید میں چلنے کا دعویٰ کر رہے ہیں کیا اس نے بھی کبھی انتقام لیا ---- آپ یہاں بھی تقلید کیجیے اور بہتر ہے کہ اسے خدا کے حوالے کر کے ذوق و شوق اور محنت و دل لگی سے اپنے کام میں لگ جائیے ---- اپنی زندگی کے بارے میں سوچیے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب آپ دوسروں کی زندگی کے بارے میں سوچیں گے ----

اس نے بحرالکاہل میں غوطہ لگایا تھا تو موتی لے کے ابھرا۔ لیکن من کے سمندر میں غوطہ لگایا تو ابھی تک باہر نہیں آیا ---- شاید جس موتی کو تلاش کرنا چاہتا ہے ---- وہ مل ہی نہیں رہا۔

کانفرنسیں، اجتماع، اکٹھ، کمیٹیاں، کسی کام کو مکمل نہیں کر سکتیں، اور نہ ہی ان سے

Marfat.com

منزل پر پہنچا جاتا ہے۔ یہ شروعات تو ہو سکتی ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ آپ ان کے فیصلوں پر عمل کریں۔ اگر آپ نے کانفرنس یا کمیٹی میں ہی کوئی فیکٹری لگانے کا سوچ لیا لیکن آن گراؤنڈ (On Ground) اس پر کام نہ کیا تو آپ نے وقت بھی ضائع کیا، اور پیداوار بھی حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ سراسر گھاٹے میں رہے۔ پھر یہ کانفرنسیں، یہ جھگڑے، یہ کمیٹیوں پر کمیٹیوں کی ترتیب، اگر قومی سطح پر ہے تو سارے کا سارا بوجھ قوم پر ہے۔ ان کے فیصلے آج تک ہمارے ہاں کسی مقام تک نہ پہنچے۔ نہ ہی اتفاق پر منتج ہوئے۔ پس عمل کو ترجیح دو۔ عمل سے ہی کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ بحث و تکرار سے کچھ نہیں۔

ہاں! آپ ایک نتیجہ اخذ کرنے میں شاید اس سے کامیاب ہو جائیں۔ لیکن پھر بھی آپ کو عمل سے ہی اس اخذ کردہ نتیجے تک پہنچنا پڑے گا۔

روزنے سے دل کے داغ دھل جاتے ہیں ---- لیکن رونا وہ اچھا ہے جو اپنی ذات پر ہو۔ میدانِ جنگ میں دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ اپنی صلاحیتوں کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ اپنی کمزوریاں دشمن کے سامنے نہ آنے پائیں ---- مزید یہ کہ جان دینے کا حوصلہ اور خون میں ڈوب کے ابھرنے کی ہمت ہو ---- سورج کو دیکھیں شام کو اپنے خون میں ڈوب جاتا ہے اور صبح پھر کس آب و تاب سے ابھرتا ہے کہ پورے عالم کو روشن کر دیتا ہے۔

نجانے کب سے سائنس چاند کی تلاش میں ہے۔ لیکن ۲۱ر جولائی ۱۹۶۹ء کو نیل آرمسٹرانگ نے جب چاند پر قدم رکھا تو سائنس یہیں ٹھہر نہیں گئی، بلکہ اس سلسلے میں تیزی آ گئی۔ اب خدا جانے چاند پر انسان کو آباد ہونے میں کتنی مدت لگ جائے۔ کسی بھی

Marfat.com

مقصد کو پانے کے لیے حوصلہ اور صبر درکار ہے۔ شاید کئی جوانیاں اس حصول میں بیت جائیں ----- لیکن جو ممکن ہے وہ پایا جاسکتا ہے۔ اس سے نا امید ہونا، اپنے مقاصد سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔ جو دوسرے لفظوں میں مقصد کی موت ہے ---- اسے مرنے مت دیجیے ---- زندہ رکھیے ---- حوصلے اور صبر سے سفر جاری رکھیے ---- پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

تو اپنے لہجے کو ایسی مٹھاس دے شاکر
کہ جو بھی بات کرے تو وہ مستند ٹھہرے

ایک محفل میں ایک غزل گائی جارہی تھی۔ ایک آدمی اسے سنتے ہی "حال" میں آگیا۔ دیوار اور زمین سے سر ٹکرانے لگا۔ حتیٰ کہ خون بہنے لگ گیا ---- دوسرا شخص کسی سوچ میں ڈوبا ہے اور رو رہا ہے ---- تیسرا شخص چہرے پر مسکراہٹ سجائے ہے ---- چوتھا شخص گانے والے اور غزل کو برا بھلا کہتے ہوئے اٹھ جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص پر علیٰحدہ علیٰحدہ اثر پڑ رہا ہے ---- اس میں غزل یا گائیکی کا وہ کمال نہیں، بلکہ آپ کی سوچ اور فکر کا کمال ہے، جو ایک کو اللہ کے حضور ---- دوسرے کو اس کے محبوب (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے حضور ---- تیسرے کو اپنے محبوب کے حضور ---- چوتھے کو سماج کے حضور اور پانچویں کو نفرت کے حضور لاکھڑا کرتے ہیں ---- گویا اپنی سوچ ہی سب کچھ ہے ---- اور کچھ بھی نہیں۔

دکانوں پر عموماً ایک تختی لگی ہوتی ہے: "آج نقد اور کل ادھار"۔ ------ اب آپ اگر کل لینے کے لیے جائیں گے تو کل ایک دن اور آگے چلا جائے گا، اور یوں ہی

Marfat.com

وہ کل کبھی نہیں آئے گا۔ سو بہتر ہے کہ آج ہی نقد لے لیں ---- فائدہ اسی میں ہے ---- بلکہ زندگی کو آج ہی سمجھو ---- کل کے چکر سے نکلو ---- جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلو ---- کل کبھی نہیں آئے گا۔

معبد ---- معبد ہی ہے ---- خواہ کسی بھی دین کے ماننے والوں کا ہو ---- معبد میں اللہ تعالیٰ کا ہی ذکر ہوتا ہے ---- خواہ کسی نام سے بھی ہو ---- یہ الگ بات کہ طریقے اور قرینے بدل جائیں ---- آپ معبد ہی سمجھیے اور اپنی عبادت گاہ کی طرح دوسرے ادیان کی عبادت گاہ کی توقیر، تقدیس اور احترام کیجیے۔

ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ روشن اور تاریک۔۔ جنھیں ہم مثبت اور منفی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب یہ آپ کی صوابدید پر ہے کہ آپ کس پہلو کو سامنے رکھتے ہیں۔ جو پہلو بھی آپ کے سامنے ہوگا آپ کی شخصیت پر اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔ وہی سوچیں آپ کے ذہن میں جنم لیں گی۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اگر منفی پہلو کی جانب ہیں یا تاریکی آپ کے سامنے ہے تو کروٹ بدلیے اور روشنی کی سمت آجائیے۔ آپ کو سب کچھ روشن دکھائی دے گا۔ اور آپ کے ذہن میں مثبت سوچیں جنم لیں گی ---- جو کامیاب زندگی کی دلیل ہے۔

پہیلی بوجھنے کے لیے ہوتی ہے ---- الجھنے سے مت گھبرائیے ---- بوجھنے کی کوشش کیجیے ---- سرا مل ہی جائے گا۔

قوم یوں ہی نہیں بن جاتی۔ قوموں کو بنانے کے لیے پہلے فردِ واحد کو بنانا پڑتا ہے،

Marfat.com

جب ایک شخص کا کردار، شعور، شخصیت یا احساسات ابھر آتے ہیں اور ہر فرد قوم کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنے آپ کو حقیقی انسان بنا لیتا ہے تو قوم کے بنانے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی، اور پھر قومیت کو برقرار رکھنے کے لیے بھی فرد کا مضبوط رہنا ضروری ہے۔

تو آؤ! اپنی قوم کو بنانے کے لیے اور اسے مستحکم کرنے کے لیے اپنے آپ کو بحیثیت فرد مضبوط بنائیں ــــ اس سے ہماری ملت استوار ہوگی۔

سفر جتنا طویل ہو، تیاری بھی اسی نسبت سے کرنی چاہیے۔ یا پھر تمھیں کوئی وہاں سنبھالنے والا ہو۔ لیکن یاد رہے کہ سنبھالنے والے سے تعلقات بنانے اور ان کو برقرار رکھنے کے لیے بھی ایک عرصہ چاہیے اور یہ عرصہ تیاری میں ہی گزرتا ہے۔

معاشرے میں رہنے کے لیے اعتماد ضروری ہے۔ جب اعتماد کی فضا پراگندہ ہو جائے تو شبہات دھاوا بول دیتے ہیں، بلکہ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ دلوں میں شبہات جنم لیں تو اعتماد پر حملہ ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا کاروبارِ حیات میں یا کاروبارِ زمانہ میں کوشش کریں، ذہنوں میں شبہات پنپنے نہ پائیں، ورنہ زندگی بے کیف اور بے کار ہو کر رہ جائے گی۔

قطرے نے سمندر سے کہا: اگر میں نہ ہوتا ــــ تو تیرا وجود بھی نہ ہوتا۔ میں ہوں تو تو ہے اور یہی بات میں نے ذرے کو صحرا سے کہتے سنی۔

عمر کے ساتھ ساتھ اگر بصارت کم ہوتی ہے تو بصیرت میں اتنا ہی اضافہ ہوتا

Marfat.com

ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بصیرت کو سمجھا جائے۔ سوچا جائے --- جو ظاہر آنکھ سے نظر نہیں آتا، اسے صرف بصیرت کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے --- جب ظاہری بینائی ٹھیک ہو تو کئی چیزیں دھوکا دے جاتی ہیں۔ لیکن اندر کی آنکھ دھوکا نہیں کھا سکتی --- اسے اِستعمال کیجیے۔

ہمارے کاندھوں پہ اک بوجھ ہے زمانے کا
ہمیں زمانے کو ستھرا مزاج دینا ہے

انسان ---- دو لفظوں کا مرکب ہے ---- انس اور آن ۔
انس کا مطلب ہے محبت، پیار۔ آن کا مطلب ہے عزت، وقار۔
جس انسان میں محبت اور پیار نہیں اور اسے عزت و وقار (اپنی اور دوسروں کی) کا احساس نہیں --- کیا ہم اسے انسان کہہ سکتے ہیں ----؟

ایک شہزادی نے شرط رکھی کہ وہ اس شخص سے شادی کرے گی جو جنگل میں یخ پانی سے بھرے تالاب میں سردیوں کے موسم میں پوری رات گزار دے گا۔
کئی دعویدار آئے اور صبح ان کی اکڑی ہوئی لاشیں ملیں۔
ایک نوجوان آیا۔ شام کو جب تالاب میں اترا، تو ادھر ادھر نگاہ دوڑائی، دور کہیں پر اسے کسی بتی کی مدھم سی روشنی دکھائی دی۔ نوجوان کو حوصلہ ہوا۔ ساری رات اس روشنی کی طرف ہاتھ کر کے تاپتا رہا، اور حرارت محسوس کرتا رہا۔
صبح سویرے اسے زندہ اور صحیح حالت میں پایا گیا۔ بادشاہ اور شہزادی نے اس کے زندہ بچ نکلنے کی وجہ پوچھی، لیکن وہ ٹال گیا۔
شہزادی سے شادی کے بعد ایک دن شہزادی کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دور

Marfat.com

ایک دیا روشن تھا۔ جس کی حدت سے میں نے یخ پانی میں کھڑے ہو کر رات بسر کر دی۔

آپ نے دیکھا دور کہیں سے روشنی کی ایک رمق سے ایک شخص نے اپنی زندگی کو برقرار رکھا۔ جی ہاں! تنکے سے ایسے ہی سہارا لے کر ڈوبنے سے بچا جا سکتا ہے۔ یا جگنو کی روشنی سے شدید اندھیری رات میں سفر جاری رکھا جا سکتا ہے۔

کیا خبر کہ ایک نوالہ بھی تمھارے مقدر میں ہے یا نہیں۔ پھر یہ سینکڑوں سے ہزاروں، ہزاروں سے لاکھوں، لاکھوں سے کروڑوں اور کروڑوں سے اربوں کی ہوس کس لیے؟

سادھو دریا کے کنارے بیٹھا تھا کہ ایک بچھو کو ڈوبتے دیکھا۔ اسے ہتھیلی پر اٹھا لیا۔ بچھو نے ڈنگ مار دیا۔ ہاتھ لرزا اور بچھو پھر پانی میں گر کر ڈوبنے لگا۔ سادھو نے دوبارہ اسے اٹھا لیا۔ بچھو نے پھر ڈنگ مارا۔ پھر ہاتھ کانپا، اور وہ پانی میں گر گیا۔ سہ بارہ بھی جب ایسے ہوا تو پاس بیٹھے ہوئے چیلے نے کہا:

مہاراج! آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ اس کو بچانے کی فکر میں ہیں اور وہ آپ کو ڈنگ مار رہا ہے۔ جانے دیجیے ---- یہ ڈوب مرے تو اچھا ہے۔

سادھو نے کہا: نہیں میرے بیٹے! ڈنگ مارنا اس کی فطرت ہے اور ڈوبتے کو بچانے کی کوشش کرنا میری فطرت۔ اگر وہ اپنی فطرت نہیں چھوڑ سکتا تو میں اپنی فطرت کیسے ترک کر دوں۔

میں سوچتا ہوں کہ ---- کیا ہم حضور ختمی مرتبت، آقائے دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہو کر اس سادھو جیسے بھی نہیں بن سکتے کہ ڈوبتے کو بچا سکیں؟

کیا ہم فطرت کو سمجھنے سے عاری ہو چکے ہیں؟

Marfat.com

کیا ہماری کوئی فطرت نہیں؟

کیا ہم صرف نام کے انسان اور مُسلمان رہ گئے ہیں؟

آخر ہم کیا ہیں؟

محبوب کی یاد میں ایسا محو ہو کہ تمھیں آس پاس کا شور و غل اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔

سب سے بڑے کاروباری تو وہ ہیں جو خدا کو بیچتے ہیں---- کسی نہ کسی رنگ میں ---- کوئی اسے گواہ بنا کر---- کوئی اس کی قسمیں کھا کر---- اور کوئی اس کے نام کو---- لیکن ایک قوم ایسی بھی ہے جو گاہک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے اصلی حالت میں پیش کر کے بیچتے ہیں۔ یعنی بھگوان کے رُوپ میں---- ہے ناں ایک انہونی بات---- بھگوان بھی کیا ہے---- ایک مورتی ہے---- ایک کھلونا ہے---- ایسا کھلونا جسے غصّے میں آکر توڑا بھی جا سکتا ہے---- جو دل کی مرادیں پوری نہ کرے تو اسے اٹھا کر پھینکا بھی جا سکتا ہے---- جسے آگ میں جلا کر پکایا جاتا ہے---- میرا تو سوچ سوچ کر دماغ پھٹا جا رہا ہے---- کیا---- نعوذ باللہ---- اس خالقِ ارض و سما کے ساتھ یہ سب کھیل مُمکن ہے۔

میں تو "سجن" اس کو سمجھتا ہوں جو مجھے میری غلطیوں، خامیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ کرے۔

ہم رات کو وہاں پہنچے۔ سوچا اللہ تعالیٰ کے گھر میں چلتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بہتر مقام اور کوئی نہیں جہاں سکون مل سکے---- اللہ کے گھر گئے---- بند دروازے پر

Marfat.com

بڑا سا تالا مُنہ چڑا رہا تھا ۔۔۔ آگے بڑھ گئے ۔ چند قدم پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور گھر تھا ۔ لیکن وہاں بھی یہی حالت ۔ اور آگے بڑھ گئے ۔۔۔ ایک اور اللہ کا گھر ۔۔ لیکن مقفل ۔۔۔ حتیٰ کہ اللہ کے اس گھر کی تلاش میں جو مقفل نہ ہو پوری رات گزر گئی، اور پھر سحری کے وقت ۔۔۔ اس کے سارے گھر کھل گئے ۔

ایک اللہ ۔۔۔۔ اتنے اس کے گھر ۔۔۔ بند دروازوں پر انسانوں کا اختیار ۔۔۔ سکون کی تلاش میں ساری رات بے سکونی میں گزری ۔۔۔ یہ سب کیا ہے ۔۔۔ کیا اللہ کا ایسا کوئی گھر نہیں جس پر اس کا اپنا اختیار ہو ۔۔۔ میں سوچ رہا تھا کہ ایک بزرگ آئے ۔۔۔ اپنا قصہ سنانے لگے کہ :

"مجھے سردیوں کی ایک رات دریا کے کنارے بسر کرنا پڑی ۔ کہ پار جانے کے لیے کشتی موجود نہ تھی ۔ میں نے عشا کی نماز کے بعد اللہ کا ذکر شروع کر دیا، اور "اللہ ہو" کی تان دل کے مقام پر آکر توڑتا ۔۔۔ حتیٰ کہ پسینے میں شرابور ہو گیا ۔۔۔ مجھے پتا ہی نہ چلا کہ رات کب دبے پاؤں گزر گئی ۔ اس دن مجھے اتنا سکون ملا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا ۔۔۔ میں نے یہ جان لیا کہ اللہ میرے اندر ہے ۔ میرے دل میں ۔۔۔ اور اب میں ہر رات دل میں جھانک کر اس کا دیدار کر لیتا ہوں ۔ اور رات بھی بڑے اطمینان اور سکون سے گزر جاتی ہے "۔

میں پھر سوچنے لگا ۔۔۔ ہم خدا کا گھر باہر کیوں تلاش کرتے ہیں ۔ اپنے اندر اسے ڈھونڈنے کا خیال کیوں نہیں آتا ۔۔۔

ان پڑھ اور پڑھے لکھے کا فرق کتنا واضح ہے ۔۔۔ گاؤں میں اکثریت ان پڑھوں کی ہوتی ہے ۔ لیکن ان میں محبت، یگانگت، خلوص، ایک دوسرے سے ملنا، دکھ سکھ میں کام آنا، احساسِ غیرت جیسی خصوصیات ہوتی ہیں ۔

Marfat.com

شہروں میں اکثریت پڑھے لکھوں کی ہوتی ہے ---- ساتھ والے گھر میں کون رہتا ہے کوئی خبر نہیں ---- کون مرا، کون جیا ---- کسی کو کیا دکھ ہے ---- کون کس تکلیف میں ہے ---- کوئی علم نہیں۔ اپنی ذات سے باہر نکل کر دیکھنا ان کے لیے بہت مشکل ہے۔ کیونکہ وقت ہی نہیں ---- ہے نا فرق بالکل واضح۔

یہ دھرتی ہماری سب سے زیادہ ہمدرد ہے ---- خدا جانے کیوں ---- شاید اس لیے کہ ہم اس کا حصہ ہیں۔ دھرتی مٹی ہے اور ہمیں مٹی سے بنایا گیا ہے۔ یہ ہمیں غذا دیتی ہے ---- پانی دیتی ہے ---- ساری زندگی ہمیں تھامے رکھتی ہے اور سہارا دے کر ہمیں چلاتی ہے ---- حالانکہ خود پاؤں تلے روندی جاتی ہے ---- اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ سب سنگ سہارے چھوڑ جاتے ہیں تو یہ اپنے دامن میں پناہ دیتی ہے ---- کیا دنیا میں زمین سے زیادہ ہمدرد اور مہربان رشتہ انسانی کا کوئی اور بھی ہے؟

ذرہ تب تک زندہ ہے، جب تک ساتھیوں کے ساتھ ہے ---- قطرہ اس وقت تک حیات ہے جب تک دوسرے قطروں کے ساتھ ہے ---- اگر یہ اپنی جنس سے علیحدہ ہو گئے تو ختم ہو گئے ---- نہ ان کی اہمیت رہی نہ زندگی۔

آپ بھی کائنات میں ایک ذرہ یا ایک قطرہ ہیں ---- اور اگر اپنے وجود کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اہمیت برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اپنے ماحول کا حصہ بن کے رہیں۔ ورنہ ----

ایک دن ایک فنکشن میں لوگوں سے بڑے اہتمام سے مل رہا تھا ---- میرے اندر سے آواز ابھری:

Marfat.com

پگلے! ہر وقت لوگوں سے ملاقاتیں کرتے ہو اور خوش ہوتے ہو ---- کبھی اپنے آپ سے بھی ملو ---- دیکھنا ---- کئی گنا زیادہ خوشی ہوگی۔

جب کوئی آدمی وعدہ خلافی کرتا ہے ---- عہد کا پاس نہیں کرتا، تو مجھے غصہ آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے جھگڑ بھی پڑتا ہوں۔ لیکن بعد میں۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے ---- اور اس آدمی سے آنکھ ملاتے ہوئے بھی شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ کبھی کبھار کسی نہ کسی سے معافی بھی مانگ لیتا ہوں۔ اور اب تو ایسے موقع پر یعنی جب غصہ آتا ہے تو وہاں سے خاموشی سے نکل جاتا ہوں۔ اور اسے ہی بہتر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس کام سے کیا فائدہ کہ جب آپ کو بعد میں شرمندہ ہونا پڑے ---- غصہ واقعی حرام شَے ہے ---- غصہ سے پرہیز ہی بہتر ہے اور اگر پرہیز نہ ہو سکے تو اسے ساتھ ہی لے کر ہی، ہٹ جانا اچھا ہے۔

انسان اپنی لکھی ہوئی کتاب کے دس صفحے حرف بہ حرف یاد نہیں رکھ سکتا ---- لیکن اس کتاب (جس میں کوئی شک نہیں) کی زیر، زبر تک میں غلطی نہیں کرتا۔ اور ب سے س تک نہ صرف یاد کر لیتا ہے بلکہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے (کوئی بدنصیب ہی بھول جائے تو) ---- اس کو بھلا کیا نام دیا جائے ----؟ کیا یہ ہر دور کا زندہ معجزہ نہیں ---- اب جو نہ مانے اس کو اس کتاب والا جانے۔

اپنے اندر کے خوف پر قابو پالو۔ باہر کی دنیا کے تمام ڈر خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ دراصل یہ اندر کا خوف ہی ہوتا ہے جو ہمیں ڈراتا ہے ---- بلکہ بعض اوقات شاید جان لیوا بھی ثابت ہو جائے۔

Marfat.com

ارے موت سے ڈرتے ہو---- عجیب آدمی ہو---- اس شئے سے ڈرتے ہو جو اٹل ہے---- اس نے آنا ہی آنا ہے---- کب تک اور کہاں تک بھاگوگے ---- میرے خیال میں آپ جب اس حقیقت کو سمجھ جائیں گے تو موت سے ڈرنا چھوڑ دیں گے---- ابھی سے سوچیے اور تسلیم کر لیجیے، تاکہ ہر لمحے کا مرنا تو ختم ہو---- ایک ہی بار کی موت کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیجیے---- آپ نے سنا ہوگا کہ جنھوں نے لوہے کے خود پہنے، زرہ زیب تن کی وہ تلوار کے ایک ہی وار سے عدم کو سدھار گئے اور جو تلواروں کے سامنے ننگے بدن شہادت کی خواہش میں لڑتے رہے انھیں موت آئی تو بستر پر---- جو رائفل بردار باڈی گارڈز کے حصار میں پھرا کرتے تھے، انھیں رائفل کی ایک ہی گولی نے موت کی نیند سلادیا---- اور جو برستی گولیوں میں دندناتے پھرتے رہے وہ اپنی طبعی موت مرنے---- تو ثابت ہوا کہ موت سے مفر تو ہے نہیں---- بس ایک نقطہ ہے اگر سمجھ میں آجائے تو۔

جمہوریت کیا ہے؟---- یہی نا کہ اکثریت کا متفق ہو کر رائے دینا، یا اکثریت کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا۔ شاید یہی ہو۔

لیکن، میں کیسے مان لوں؟ اسلام کی ابتدا سے آج تک---- کب ایسا موقع آیا کہ اکثریت حق کے حق میں ہو۔ ہمیشہ بدی کا ساتھ دینے والے زیادہ رہے ہیں---- حضرت آدمؑ کے ساتھ کتنے تھے----؟ حضرت یونسؑ کے حق میں کتنے تھے----؟ حضرت نوحؑ کے ساتھ کتنے تھے----؟ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کتنے تھے----؟ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کتنے تھے----؟ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کتنے تھے----؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کتنے تھے----؟ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کتنے تھے----؟

Marfat.com

پوری تاریخ دیکھ لیجیے۔ نیکی اور بدی میں سے کس کے ساتھ اکثریت رہی ہے؟ قرآن مجید میں بھی تو یہی ارشاد ہے: "اکثر الناس لا یعلمون" لوگوں کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔ دوسرے لفظوں میں جو کچھ نہیں جانتے وہ اکثریت میں ہیں---- تو کیا آپ بھی اسی اکثریت میں شامل ہیں جو کچھ نہیں جانتے---؟ کیا آپ اسی کو جمہوریت سمجھتے ہیں---؟

پھر یہ جمہوری حکومتیں---؟ کیا آپ اس سے متفق ہیں---؟

جب آپ قبرستان سے گزرتے ہیں تو خوف آتا ہے---- جب آپ اندھیری رات میں کہیں ویرانے سے گزرتے ہیں تو خوف آتا ہے---- جب آپ کہیں کھنڈرات یا بھول بھلیوں میں سے گزرتے ہیں تو خوف آتا ہے---- ملاح جب سمندر کو خاموش دیکھتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں---- آخر یہ خوف اور ڈر ایسی جگہوں سے کیوں---؟ کبھی سوچا ہے---؟ نہیں، تو اب سوچیے---- کیا یہ خاموشی کے باعث تو نہیں----؟

میں نے جب ایک کتے کو چپ چاپ کھڑے دیکھا تو بے ضرر سمجھتے ہوئے پاس سے گزر گیا---- لیکن پتا ہے کیا ہوا---؟ اس نے پیچھے سے کاٹ لیا---- یہ جو خاموشی ہے نا---- اس کے پیچھے ہی سارا خوف اور شر چھپا ہے۔

اگر تمھیں اپنے مرتبے کے فرائض کا احساس ہو جائے تو تم اس سے مستعفی ہو کر ساری زندگی توبہ میں گزار دو۔

ہماری بدنصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ آج جو بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کرتا ہے---- کوئی اچھی بات بتاتا ہے، اس سے

Marfat.com

نہ صرف ہم نفرت کرتے ہیں، بلکہ نجانے اسے کیا کیا نام دیتے ہیں۔ گویا اس کی توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ایسے لگتا ہے کہ ہر ایسا شخص مولوی ہے ---- اور مولوی ایک گالی ہے ---- آخر کیوں؟

میرے دوست ! ذرا سوچیے ---- وہ مولوی ہم بے عملوں اور اپنا ہر لمحہ بری سوسائٹی میں گزارنے والوں سے کتنا اچھا ہے ---- ہم کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے بہت دور ---- اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف نام کی حد تک محبت جتانے والے۔ کوئی اچھا عمل نہیں کرتے ---- کم از کم وہ شخص کچھ تو ہماری نسبت دین سے قریب ہے۔ کسی حوالے سے تو اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو، دکھاوے کے لیے ہی سہی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتا ہے ----

پھر ہم کیسے اس سے بہتر ہو سکتے ہیں ----؟

اور یہ بھی سوچیے ---- وہ بھی تو ایک انسان ہے۔ فرشتہ نہیں۔ اگر وہ بھی کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے تو اس کو ہم تضحیک کا نشانہ کیوں بناتے ہیں ----؟ کیا کبھی ہم نے اپنے گریبان میں بھی جھانکا ہے ----؟ کیا خود کو بھی کبھی سوچ کی اس کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے؟

مولوی کی آنکھ کا تنکا ہم بڑے دور سے دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ اپنی آنکھ کا شہتیر ہمیں کوئی چبھن نہیں دیتا۔

جس کے پاس کچھ ہوتا ہے اس سے لوگ مانگتے ہیں، اور اس سے حسد بھی کرتے ہیں۔ آپ نے یہ کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ بے پھل درخت پر کسی نے پتھر مارا ہو۔

مانگنے والے کو کچھ نہ کچھ دیجیے ---- خواہ مسکراہٹ ہی سہی۔ اور حسد کرنے والوں سے مت گھبرائیے ---- بلکہ ایک پھلدار درخت کی طرح رہیے۔ پتھر

Marfat.com

مارنے والے کو پتھر بھی لوٹا دیجیے اور پھل بھی دیجیے ---- اسی میں عظمت ہے۔

کتا یوں تو ایک ناپاک جانور ہے، اور اس قابل نہیں کہ اس کا ذکر کتابِ مقدس میں آئے۔ لیکن یہ مقام اسے ان نیک لوگوں کی صحبت کے باعث ملا جن کی مجلس میں اس نے زندگی گزاری اور جان دی ---- اور اسی وفاداری اور تعلق کی بنا پر قرآن مجید جیسی عظیم اور پاک کتاب میں اس کا ذکر آیا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

آتے ہوئے اذاں ہوئی جاتے ہوئے نماز
اتنے قلیل وقت میں آکر چلے گئے

اذان اور نماز کی ادائگی میں وقت ہی کتنا ہوتا ہے۔ صرف پندرہ بیس منٹ۔ یعنی چند سانسیں۔ ان چند سانسوں کے لیے ہم کتنے پاپڑ بیلتے ہیں۔ کیا کچھ نہیں کرتے۔ کسی کو فریب دیتے ہیں ---- کسی کے ساتھ دھوکا دہی کرتے ہیں ---- کسی سے جھگڑا اور کسی سے دشمنی ---- غرضیکہ ان چند لمحوں کے لیے ہر قسم کا حربہ اختیار کرتے ہیں۔

آپ شاید سوچ رہے ہوں کہ اذان اور نماز کا انسانی زندگی سے کیا رابطہ ہے۔ تو دیکھیے نا! جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان بچے کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو زمین کے حوالے کرنے سے پہلے اس کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

تو اتنے کم وقت کے لیے ہم سب کچھ کرتے ہیں۔ لیکن ابدی زندگی کے لیے کچھ بھی نہیں۔

Marfat.com

بے کار مت رہ ----- کچھ کام کر ----- کیونکہ کام میں ہی عزت ہے اور کام سے ہی زندگی قائم ہے۔ حضرت عمرؓ جب کسی نوجوان کو دیکھتے اور وہ انھیں اچھا معلوم ہوتا تو پوچھتے یہ نوجوان کوئی کام کرتا ہے ----- اگر کہا جاتا کہ نہیں ----- تو وہ ان کی نگاہ سے گر جاتا۔

فارسی میں کہتے ہیں ---- "کارکُن، بیکار مباش"۔

اور ہاں! بیکاری میں شیطان بھی انسان کا ساتھی بن جاتا ہے۔

جب بھی کوئی ملتا ہے تو دعا سلام کے بعد کہتا ہے:

"کوئی نئی تازی"۔

میں ہمیشہ ایک ہی جواب دیتا ہوں ---- کوئی خاص نہیں ---- اور حقیقت میں کوئی ایسی خاص بات ہوتی ہی نہیں۔

فطرت کا نظام ہے جو فطرت کے مقرر کردہ راستے پر گامزن ہے۔ اپنی اپنی ڈگر پر صدیوں سے ہر لمحہ، ہر ثانیہ، ہر شئے اسی کی قائم کردہ سچائیوں کے ساتھ رواں دواں ہے ----- پھر میں کون ہوں کہ کوئی نئی تازی لے آؤں۔

ہاں! جس دن کوئی نئی تازی ہو گئی سمجھنا کہ قیامت آ گئی۔

یکم مئی کو یومِ مئی کا نام دے کر کچھ شہیدوں کی یاد منائی جاتی ہے ---- کسی کے علم میں نہیں کہ وہ کون تھے ---؟ شہید آخر کیسے ہوئے ----؟ تقریریں ہوتی ہیں۔ مباحثے ہوتے ہیں۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور جان دینے کے دعوے کیے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے تین دن بعد اسلام کے ایک عظیم سپوت کا یومِ شہادت ہے ---- اور وہ کسی کے

Marfat.com

بھی علم میں نہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ چار مئی کو کیا ہوا تھا----

میں سوچتا ہوں کہ ---- کیا یکم مئی والے شکاگو کے وہ عیسائی مقتول شہید ہیں---؟ یا چار مئی کو اسلام کی عظمت کے لیے جان دینے والا میسور کا والی سلطان ٹیپو شہید ہے --- آخر ہماری سوچ ہمیں کس سمت لے جا رہی ہے۔ واقعی میکالے نے ٹھیک کہا تھا کہ: "انھیں ایسا نظام تعلیم دو کہ یہ نام کے مُسلمان رہ جائیں، اور باقی سارے کے سارے انگریز ہوں"۔

دولت کمانے کے بھی کیا طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔ لیکن آج جو سب سے بڑا فراڈیا ہے ---- وہ سب سے بڑا دولت مند ہے ---- شرافت اور سچائی سے پیٹ پالنا مُشکل ہو گیا ہے۔ شاید اللہ رب العزت بھی زمانے کا ساتھ دے رہا ہے ---- لیکن نہیں ---- اس کا تو فرمان ہے کہ میں انھیں کھلی چھٹی دے دیتا ہوں --- شاید اس نے ایسے لوگوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ رکھی ہیں۔

یا رب العالمین! ہمیں ان میں سے نہ رکھ جن کی باگیں تو نے ڈھیلی کر دی ہیں۔ (آمین)

آپ بس میں بیٹھے ہیں۔ بس تیز رفتاری سے جا رہی ہے۔ آپ کی آنکھ لگ جاتی ہے۔ اچانک سڑک پر کوئی رکاوٹ آتی ہے۔ ڈرائیور سختی سے بریک لگاتا ہے۔ پش فارورڈ فورس (Push Forward Force) کا عمل ہوتا ہے۔ دھچکا لگتا ہے اور آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ آپ لاحول پڑھتے ہیں۔ کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں ---- اللہ کا نام لیتے ہیں ---- یہ حادثہ بھی ہو سکتا تھا۔ جو جان لیوا ہوتا، اور آپ کو یہ سب کچھ یعنی ذکر کا موقع نہ ملتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ حادثہ پیش نہیں آیا --- بہتر یہ ہے کہ حادثہ پیش آنے

Marfat.com

سے پہلے اللہ کو یاد کیجیے---- اگر حادثہ پیش آ گیا تو آپ کو اتنا وقت بھی نہیں ملے گا کہ آپ اپنے ساتھ اللہ کا ذکر اور اس کا نام لے کر جا سکیں۔

آپ کسی بلند مینار پر کھڑے ہیں اور نیچے دیکھ رہے ہیں---- آپ کو نیچے چلتے پھرتے لوگ چھوٹے دکھائی دیتے ہیں---- آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ واقعی بونے ہیں۔ بلکہ یہ اس اونچائی کا اثر ہے جس پر آپ کھڑے ہیں---- آپ یہ دیکھیں کہ نیچے آنے کے بعد آپ بھی اوپر والوں کو بالکل ویسے ہی نظر آئیں گے۔

اونچے مرتبے پر آ کر نیچے والوں کو حقارت سے مت دیکھ۔ کسی شاعر نے کہا ہے ناں :

زاہد نگاہِ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
کیا جانے اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

ٹہنی پر پھل اسے جھکا دیتا ہے۔ عمر پر سوچ اور فکر کا پھل انسان کو خمیدہ کر دیتا ہے، اور دماغ میں عاجزی کا پھل سر کو جھکا دیتا ہے۔

ہم ہیں کہ یہاں جائیدادوں اور زمینوں کے چکر میں پڑے ہیں۔ لڑائیاں ہیں، جھگڑے ہیں، قتل ہو رہے ہیں، گھر اجڑ رہے ہیں---- صرف اس زمین کے لیے جو شاید قبول بھی کرے یا نہیں---- صرف دو گز زمین کے لیے---- اور یہ دو گز تو سب کو برابر ملتی ہے۔ خواہ جاگیردار ہو یا مزارع۔ صنعت کار ہو یا نوکر۔ جیتنے والا ہو یا ہارنے والا---- بس صرف دو گز۔

میں شیو جی کے مندر میں گیا۔ اندرونی منظر دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔۔ لیکن اتنی تیز بو تھی کہ میرے سوچنے سمجھنے کے سیل بند ہو گئے۔ میں نے ناک پر رومال رکھا، اور دیواروں پر لٹکی تصاویر اور زمین پر ابھرے نقوش دیکھے۔ لیکن بو اتنی تیز تھی کہ رومال سے نہ رک سکی، اور میں فوراً ہی باہر آ گیا۔

باہر آ کر میں نے سوچا تو یہی نتیجہ اخذ کیا کہ ہندو لوگ مندر میں جا کر حواس کھو بیٹھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتے کہ یہ بنے ہوئے بت اور تصویریں ان کو کچھ نہیں دے سکتیں۔ آدمی تب ہی سوچ سکتا ہے جب ہوش و حواس میں ہو۔ لیکن بے ہوشی کے عالم میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ایک مشاعرہ تھا، ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں غزل سنا رہا تھا۔ ایک شعر لوگوں کو بہت پسند آیا، اور انھوں نے خوب تالیاں بجا کر اور واہ واہ کہہ کر حوصلہ افزائی کی۔ شعر دوبارہ سنا گیا۔ سہ بارہ سنا گیا۔ اور ایسے ہی تالیاں بجتی رہیں۔ حتیٰ کہ وہ شعر تالیوں کی گونج میں دب گیا، اور کسی کو یاد نہ رہا۔ سوائے اُس کے جس نے تالی نہ بجائی، بلکہ غور سے سنا، اور یاد کیا۔ جنھوں نے تالیاں بجائیں انھیں خبر ہی نہ ہوئی کہ شعر میں کیا کہا گیا تھا، اور یوں ایک اچھے شعر کو واہ واہ کا شور اور تالیوں کی گونج منظر سے دُور لے گئیں۔

زمین سے اوپر آسمان۔۔۔۔ اور زمین سے نیچے۔۔۔۔۔ کچھ پتا نہیں۔
اوپر سے ہم زمین پر آ گئے اور زمین سے آگے۔۔۔۔۔
کچھ پتا نہیں۔

Marfat.com

آسمان میں رہتے ہوئے مَلبُوس تھے ---- بے لباس ہوئے تو زمین پر اتار دیے گئے ---- اب پھر بے لباس ہونے کی تگ و دو میں ہیں ---- کہاں جائیں گے ----- سوچ لیجیے۔

دو روحیں آپس میں جھگڑ رہی تھیں اور ایک دوسرے کو طعنے دے رہی تھیں۔ ایک نے کہا:

تم تو بالکل "پھوہڑ" ہو۔

دوسری بولی: ---- تم تو ہمارے لیے مُصیبت بن گئی ہو۔

پہلی نے ناک پر انگلی رکھی، بھوں چڑھائی اور گویا ہوئی:

جب تو آئی تھی تو آدم بُھوں ---- آدم بھوں کرتی آئی تھی۔

دوسری نے ہاتھ نچا کر --- ناک کو بل دے کر کہا:

تم تو ہماری جوانی کی دشمن بنی ہوئی ہو۔

نزدیک ہی ایک اور رُوح کھڑی یہ سب کچھ سن رہی تھی --- وہ کسی صحافی کی تھی۔ اُس نے سوچا کہ یہ دونوں کون ہو سکتی ہیں۔ جب کھوج لگائی تو پتا چلا کہ یہ ساس اور بہو تھیں۔

اگر سفر انجانا، اور پیچیدہ ہو تو کسی سے رہنمائی حاصل کرلو۔

مواقع تو انسان کی زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن ایک موقع کھو کر دوسرے کے انتظار میں بیٹھ رہنا بے وقوفی ہے۔ ہمیں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ورنہ ---- دوا میں تاخیر سے ---- موت بھی واقع ہو سکتی ہے --- مواقع سے فائدہ اٹھانا ہی کامیاب

Marfat.com

زندگی کی دلیل ہے ---- لیکن موقع کیسا ہے ---- یہ سوچ لیجیے۔

تمام غیر مُسلم قوتیں اسلام کے خلاف یکجا ہو گئی ہیں۔ اور اس سچے اور حقیقی مذہب کو مٹانے کے لیے کوشاں ہیں ----- ستم یہ ہے کہ ہم سب کچھ جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی یکجا نہیں ہو رہے ----- اتحادی، مُسلمانوں کے تمام ممالک کو ایک ایک کر کے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی اس کارروائی کو تو دہشت گردی کے خاتمے کی کوشش کہتے ہیں لیکن مُسلمانوں کے جہاد کو دہشت گردی قرار دیتے ہوئے تباہی کا مقصد قرار دے رہے ہیں۔

اے کاش ہم بھی مُتحِد ہو جائیں اور رچرڈ کی طاقت کو کچلنے کے لیے کسی ایک صلاح الدین ایوبی کے جھنڈے تلے آ کر صلیبی جنگ کو ختم کرنے میں بحیثیت مُسلمان اپنا کردار ادا کریں۔

ایک عام سی بات ہے ---- کل جو کسی کی تھی ---- آج تمھاری ہے ---- تو کل وہ کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے ---- سوچیے اور اپنی راہ خود مُتعین کیجیے۔

دکھ جھیل کر ہی سکھ ملتے ہیں۔ غم اٹھا کر ہی خوشیاں حاصل کی جاتی ہیں۔ ناکامیوں کے پیچھے کامیابیاں چھپی ہوتی ہیں ---- دکھ، غم، ناکامی ---- یہ منزل نہیں، بلکہ رہنما ہیں۔ ان کی رہنمائی میں ہی آگے بڑھو گے تو عقلمندی کا ثبوت ہو گا۔ وگرنہ انھیں منزل سمجھ کر بیٹھ گئے تو مفلوج ہو کر رہ جاؤ گے۔

کاش مجھ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فیض و برکت کا وہ اعتماد

Marfat.com

بحال ہو جائے جو اس ان پڑھ چرواہے میں مولوی صاحب کی تقریر سن کر ہوا تھا کہ پھر ساری زندگی اس اسم مقدس کے ورد کی بدولت اسے دریا میں کشتی ڈالنے کی ضرورت نہ پڑی اور وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے دریا پار کر جایا کرتا تھا۔

کاش کہ وہ صدق مجھے بھی عطا ہو۔

گھڑی پر نگاہ جماؤ۔ دیکھو گے کہ مستقبل اور ماضی صرف دو زمانے ہیں ----- حال نہیں ----- کیونکہ حرکت کرتی ہوئی سوئی یا وقت کو پیچھے چھوڑ رہی ہوتی ہے یا آنے والے وقت کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے ----- یوں ماضی سبق ہے۔ جس سے مستقبل کے لیے ہم نے سیکھنا ہے ----- حال ابھی بہت دور ہے ----- حال اُس وقت ہو گا جب گھڑی کی سوئی رک جائے گی ----- وقت تھم جائے گا ----- اور جب نہ ماضی ہو گا نہ مستقبل ----- اور یہ وہ وقت ہو گا جس کے لیے ہمیں اس ماضی اور مستقبل کے لمحات میں سوچنا ہے۔

سورج سر پر آجائے تو صرف دیوار کا سایہ ہی نہیں چھپتا، اپنا سایہ بھی چھپ جاتا ہے۔

سیکھنے کا عمل آخری سانس تک رہتا ہے۔ آپ کبھی یہ مت سوچیں کہ آپ پرفیکٹ ہو گئے۔ پرفیکٹ صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ ہمارا استاد ہے، اور ہمیں کچھ نہ کچھ سکھاتا، اور پڑھاتا رہتا ہے ----- اب یہ ہماری اپنی سوچ ہے کہ ہم اس سے سیکھتے ہیں یا نہیں ----- اگر ہم سمجھیں گے تو زیادہ سیکھیں گے ----- لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ایک تو غور سے سیکھیں اور سمجھیں، دوسرا اس استاد کی قدر کریں۔ خواہ وہ

Marfat.com

تنکا ہی ہو، جو تمھیں تیرنا سکھا رہا ہے ---- یا جل کر دوسروں کو حرارت پہنچانے کا ایک مثبت سبق دے رہا ہے۔

برناڈ شا نے کہا تھا: شکسپیئر مجھ سے بہت لمبا تھا۔ لیکن میں اس کے کندھے پر کھڑا ہوں۔

میں اس سے کچھ آگے کی سوچ رہا ہوں کہ ہماری نئی نسل ہمارے سروں پر کھڑی اپنے قد کی پیمائش کر رہی ہے۔ جس جگہ ہماری سوچ ختم ہوئی وہاں سے ان کا عمل شروع ہو رہا ہے۔ سائنس نے انھیں بہت آگے سے سوچنے کی ترغیب دی ہے ---- یہی دیکھیے ناں کہ ہم کمپیوٹر پر اپنا سفر ختم کر رہے ہیں اور وہ کمپیوٹر سے اپنا سفر شروع کر رہے ہیں ---- پھر ہم کیسے نہ مانیں کہ وہ ہم سے بہت اونچے ہیں۔

چٹانوں کی سختی کے بارے سوچتے ہوئے ان میں سے ابلتے چشمے اور پوشیدہ خزانے ذہن میں رکھیے۔

ایک ہی وقت میں یہ تضاد ----

جب غصّے میں اس سے پوچھتے ہیں اور وہ نہیں بولتا تو مزید غصّے میں کہتے ہیں:

بکو بھی سہی ----

اور جب وہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولتا ہے تو فوراً ٹوک کر کہتے ہیں:

مت بکو ----

ہے نا عجیب سی بات

Marfat.com

ہمیں ہر حالت میں یہ ذہن میں رکھنا ہے کہ ہندو ہمارے نظریہ کے خلاف ہے اور ہمارا نظریہ اسلام ہے۔ گویا وہ اسلام کو مٹانے پر تلا ہوا ہے ---- ہمیں پاکستان کی صورت میں اسلام کی حفاظت کرنی ہے۔

کہا تھا وقت سے پہلے نہ اشکوں کو رواں کرنا
کہا تھا جذبِ دل کو ہم نفس مت رائیگاں کرنا

کہا تھا زندگی کو زندگی میں ڈھال لو اب تو
کہا تھا ٹھیک یوں ہوتا نہیں خود کو عیاں کرنا

کہا تھا مانگے تانگے کی یہ شہرت چند روزہ ہے
کہا تھا آبلۂ دست ماتھے کا نشاں کرنا

کہا تھا خواب اور خدشے تمھیں بے سایہ کردیں گے
کہا تھا آنکھ اور آکاش اپنا سائباں کرنا

کہا تھا زندگی میں بے گماں لمحے بھی آئیں گے
کہا تھا جب یقیں مٹھی میں ہو تو مت گماں کرنا

کہا تھا لوگ تو سورج کی باتیں بھی نہیں سنتے
کہا تھا برف زخموں کو نہ حرفِ داستاں کرنا

Marfat.com

کہا تھا آج کل انسان کی پہچان مشکل ہے
کہا تھا سوچ کر تم اِعتبارِ دوستاں کرنا

کہا تھا خود شناسی میں کہیں خود کو نہ کھو دینا
کہا تھا راحتِ دل کو نہ وقفِ اِمتحاں کرنا

کہا تھا پاؤں دھرتی سے اٹھاؤگے تو جاؤ گے
کہا تھا آنکھ کے جگنو مثیلِ کہکشاں کرنا

کہا تھا خاک کے جلنے کا امکاں ہو بھی سکتا ہے
کہا تھا طور پر جاکر نہ حالِ دل بیاں کرنا

کہا تھا اپنا چاند اپنا ستارا ساتھ لے لینا
کہا تھا اپنے آنچل کو ہی اپنا آسماں کرنا

کہا تھا بیر پک جائیں تو لہجہ نرم کرلینا
کہا تھا سنگ بھی آئیں تو شاکر حرزِ جاں کرنا

Marfat.com

وجدان کی آنکھ ــــ ایک تاثر

بقول مولانا جلال الدین رومی

زاد دانش مند آثارِ قلم ‏ ‏ زاد صوفی چیست آثارِ قدم

یعنی صوفی کا نقشِ قدم اس کے تابعین کے لیے خضرِ راہ ہے۔ دانشور کی تخلیق اس کی تحریریں ہیں۔ عروسِ سخن کے گیسوؤں کو سنوارنے میں مصروفِ عمل، نت نئی راہوں کے متلاشی، مشکل پسند ادیبوں میں سے ایک جو اس بات کا گہرا درک رکھتے ہیں کہ زندہ ساعتوں کے آنگن میں صرف انہی ناموں کے چاند چمکتے ہیں جو قافلوں سے الگ ہو کر اور اپنی ڈگر خود تلاش کر کے سفر کی صعوبتوں سے اکیلے ملاقاتیں کرتے آگے بڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر راہوں کی گرد میں کھو بھی جائیں تو انھیں کوئی فراموش نہیں کر سکتا۔ ان کی قبروں کے کتبے بھی سنگ ہائے میل بن جاتے ہیں ایسی ہی ایک خزینہ دانش تصنیف "وجدان کی دُوسری آنکھ" مروجہ ادب کی ڈگر سے ہٹ کر ایک ایسا تخلیقی کارنامہ ہے جس کی نظیر اردو ادب میں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

شاکر کنڈان صاحب کی انفرادیت اسی تخلیقی جوہر کی بنا پر ہے کہ وہ شاہراہ پر اڑتی ہوئی گرد کو سوار کے گزرنے کی دلیل نہیں سمجھتے اور نہ ہی مشاہدہ رنگ کے ذریعے بہار کے ادراک و اثبات کے قائل ہیں۔ بلکہ یہ فریبِ نظر گردانتے ہوئے لوحِ ایجاد پر کلک اعتبار سے خطِ شکستہ کے نقش و نگار بناتے ہیں۔ شاکر کنڈان کی دانشورانہ قادر الکلامی ان کے وسیع مشاہدہ اور لطیف تخیل کا ثمر اور مظہر ہے۔ ان کی شخصیت جس قدر سادہ نظر آتی ہے ان کی تخلیقی شخصیت اسی قدر پیچیدہ، گنجلک اور ہمہ جہت ہے، جو عروسِ شب کی مانگ میں سندور بھرنے کی سعادت نہیں تو بشارت ضرور رکھتی ہے۔

"وجدان کی دُوسری آنکھ" اپنی طرز کی بہتی ندی میں پہلا پتھر ہے اور یقیناً اس کا تلاطم دُور تک پھیلے گا۔ شاکر کنڈان ارفع انسانی اقدار کے پاسدار اور اعلیٰ اخلاقی روایات کے امین ہیں۔ انھوں نے اپنی تخلیقات کے حوالے سے جو نام و احترام پایا وہ دُنیا میں بہت کم ادیبوں اور شاعروں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کی دو درجن کے لگ بھگ کتابوں میں کم ہی کوئی کتاب "وجدان کی آنکھ" کی طرح پڑھی گئی ہو اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ "وجدان کی دُوسری آنکھ" مُنصّۂ شہود پر آ گئی ہے۔

کروچے (Croce) کے بقول وجدان (Intuition) تاثرات (Impressions) اور حسی درک (Sensation) کا فعال اظہار ہے۔ وہ چیز جو اظہار کی شکل اختیار نہیں کرتی وجدان نہیں ہوتی محض تاثر اور حسی درک تک محدود ہوتی ہے۔ وجدان ذہن میں ان تاثرات اور حسی ادراک کی تشکیل کا نام ہے ــــ ذہن کی وہ اظہاری قوت ہے جو تاثرات اور حسی درک کو

Marfat.com

ایک ہیئت عطا کرتی ہے۔ ("مغرب کے تنقیدی اصول" ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی۔ صفحہ ۳۰۴)

شاکر کنڈان کے ہاں بھی تاثرات اور حسی ادراک کا اظہار وجدانی ہیئت میں عروجِ کمال کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں اسفار کا مقصد سیر و سفر اور گشت و گزار نہیں بلکہ مشاہدات و تجربات کو حصولِ علم کا بہترین اور مستند ذریعہ گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک سفر کی دشواریاں اِنسان میں صبر و تحمل، بردباری اور برداشت کے ساتھ ساتھ مُختلِف تہذیبوں اور تمدن سے آشنائی اور رُوحانی اِرتقا کا باعث ہیں۔

تخلیقی عمل، روحانی تجربات، تخیل اور وجدان کے حوالے سے کہیں کہیں ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی کے نقطہ نظر کی تجسیم شاکر کنڈان کی صورت میں ادبی افق پر طلوع ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر باقر رضوی کچھ یوں رقمطراز ہیں: "تخلیقی عمل روحانی بصیرت کا نمونہ ہونا چاہیے کسی اور کے بتائے راستے پر چلنے کی بجائے تن تنہا اپنے روحانی سفر کو طے کرنا چاہیے۔ دُوسروں سے روشنی لینے کی بجائے اپنے تخیل، وجدان کی روشنی میں تخلیقی سفر پر چلنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ محض ان حقیقتوں کا انکشاف کرسکتے ہیں جو رُوح کی تخلیقی سفر میں ان پر مُنکشف ہوں تو وہ محض ایک ہی صُورت میں ممکن ہے اور وہ یہ کہ اپنی ذات سے سچ بولیں اور نہایت خلوص کے ساتھ اپنے رُوحانی تجربات سے وفاداری برتیں"۔

شاکر کنڈان بلا شبہ اِنسانی مزاج کے ماہر نباض ہیں۔ انھوں نے کہانیاں نہیں بلکہ مُختلِف امورِ زندگی کے بارے میں مختصر عبارتوں پر مشتمل حکیمانہ انداز میں نسلِ نو کی اخلاقی تربیت کا سامان کیا ہے۔

قادر الکلام ادیب وہ ہے جو جامع اضداد ہو۔ شاکر صاحب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے "وجدان کی دُوسری آنکھ" میں جامع اضداد ہونے کا معجزہ بھی دکھایا ہے۔ سادگی میں تاثیر کا عنصر پیدا کردیا ہے۔ انھوں نے ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہُوئے مختصر جملوں میں معانی کے وسیع بحر کو بند کردیا ہے۔ ایک مقام پر کچھ اس انداز میں قلم کشائی کرتے ہیں: "سورج مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں مشرق مغرب کو روشنی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بدلے مغرب سے تاریکی حاصل کرتا ہے"۔

انھوں نے کہیں بھی اپنے آپ کو آئیڈیل انسان کے طور پر جلوہ گر نہیں کیا، بلکہ ایک عام سطح کے اِنسان کا رُوپ دیا، خود کو ویسا دکھایا جیسے وہ ہیں۔ کمزوریوں کا اِعتراف کر کے حقیقت نگاری کو تقویت عطا کی۔ "وجدان کی دُوسری آنکھ" زبان و بیان کے اِعتبار سے بھی اُردو زبان کی شاہکار کتاب ہے۔ اندازِ بیاں صاف بتا رہا ہے کہ فکر و الہام کی اقلیم میں تنویرِ آفتاب کا وقت ہے۔ حسنِ ترتیب، فقروں کی سادگی، لفظوں کی تاثیر، اِستعارات، تشبیہات اور تمثیلات کا سادہ عام فہم اِستعمال ایسی خُوبیاں ہیں جو طفلانِ مکتب سے لے کر جامعات تک ہر سطح پر یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی اِستعداد کے مطابق اس کتاب سے مُستفید ہوگا۔ بقولِ سعدی شیرازی: ؎

Marfat.com

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست   از باغ لالہ روید و ز شورہ بوم خس

بارش کہ جس کی فطری لطافت میں کوئی اِختلاف نہیں اس سے باغ میں لالے کے پھول اور کلراٹھی زمین میں گھاس پھونس اُگتے ہیں۔ شاکر صاحب نے عُمرِ عزیز کا طویل حصہ اس تصنیف کو فنی فکری معراج تک پہنچانے میں صرف کیا۔ اس کام میں ذوق اور سلیقہ مندی دکھائی۔ "وجدان کی دُوسری آنکھ" میں جگہ جگہ نصیحتیں ہیں مگر اس فنکاری کے ساتھ کہ تلخی و کڑواہٹ نہیں بلکہ پڑھنے سے انسان پر ایک خوشگوار کیفیت طاری ہوتی اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ براجمان ہو جاتی ہے۔ انھوں نے قلم کاغذ کی عفت و پاکیزگی کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اور بازاری سطح پر نہیں اترے۔ ان کے ہاں تخلیق کا خمیر تخلیق کار کے دِل سے اُٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اِختصار، تاثیر اور بے ساختہ پن اس قدر انسانی اِحساسات کے قریب تر ہے کہ قاری کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔

شاکر صاحب نے علم و دانش کا جو خزینہ دامنِ وقت میں ڈال دیا ہے وہ وقت دور نہیں کہ اہلِ علم و دانش اپنے مدعا کی صداقت و تائید کے لیے ان سے مُستفید ہوں گے۔ حکمت و دانائی کا یہ نادر خزینہ اپنی تاثیر کے اعتبار سے ہر دور میں معروف و مقبول رہے گا۔ جس طرح برصغیر پاک و ہند کے تمام علمی اور مذہبی اداروں میں سعدیؔ کی کتابیں بطور نصاب رائج ہیں، شاکر صاحب کی یہ کاوش بھی بقول ڈاکٹر وزیر آغا: "اِبتدائی جماعتوں کے نصاب میں شامل ہونی چاہیے"۔

فکری و معنوی حسن کے ساتھ یہ حکیمانہ باتیں زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ جن کا پڑھنا اور سمجھنا بذاتِ خود ایک پر لطف عمل ہے۔ اپنے مندرجات کی جامعیت، تنوع اور اسلوب تحریر کی سادگی و دلکشی کے باوصف شاکر کنڈان صاحب کے علمی سرمایہ میں یہ کتاب "توشہ برلبِ جُو ماندہ نشان است" کی مصداق بن کر ادبِ عالیہ میں شمار ہوگی۔ اس کا حسن کبھی ماند نہیں پڑے گا، اور نہ ہی اس کی مہک کو زوال آئے گا۔ اور یہ "گُلستان و بوستان" کی طرح ہر زمانے میں تر و تازہ اور شگفتہ و شاداب رہے گی۔ اس تصنیف کے حوالے سے رب دو جہاں سے یہی دعا ہے۔ بقول اکبرؔ الٰہ آبادی ؎

عطا کر قسمتِ تصنیف یا رب اس گُلِ تر کو
پھلے پھولے زمانے میں گُلستاں، بوستاں ہو کر

سیّد ضمیر بخاری

میانوالی

Marfat.com

Marfat.com

شاکر کنڈان ایک اچھے شاعر ہیں اور شارح بھی! وہ اردو میں بھی لکھتے ہیں اور پنجابی میں بھی۔ ساتھ ہی وہ ایک دانش ور بھی ہیں۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے۔ وہ کتابیں جمع ہی نہیں کرتے، انہیں پڑھتے بھی ہیں اور پھر اپنے مطالعہ کے جواہر کو ضرب الامثال کی صورت میں خلق خدا کی سامنے پیش کرنے پر بھی قادر ہیں۔ ان جواہر میں سے کچھ تو وہ ہیں جنہیں شاکر کنڈان نے اپنی پلکوں سے چنا ہے، آسمان کے طشت سے بھی اور زمین کے فرش سے بھی مگر ان کے ہاں ایسے فکری جواہر بھی ہیں جو انہوں نے اپنے تجربات سے کشید کیے ہیں۔

وہ زمین پر پیدل چلنے والے آدمی ہیں اور پیدل چلتے ہوئے وہ اشیاء، مظاہر، کرداروں، روایات، تعلقات رویوں اور زاویوں کو نہایت قریب سے دیکھ پاتے ہیں۔ قریب سے دیکھنا ایک ثمر و عمل ہے کیونکہ ایسا کرتے ہوئے انسان چیزوں کے داغ دھبے بھی دیکھ پاتا ہے اور ان کی چمک دمک بھی جو فاصلے سے نظر نہیں آتی۔

شاکر کنڈان کی دانش ان کے خاص زاویہ نگاہ کا ثمر ہے۔ آپ ان کی بعض باتوں سے اختلاف تو کر سکتے ہیں مگر ان کی نظر کی گہرائی، خلوص، اسلامی اقدار سے ان کے لگاؤ، پاکستان کی سرزمین سے ان کی والہانہ محبت نیز ان کی انسان دوستی سے انکار نہیں کر سکتے۔ انہوں نے یہ سب کچھ اپنے من میں ڈوب کر لکھا ہے۔ اور ایک ہی نشست میں نہیں لکھا۔ یوں لگتا ہے کہ دانش ان پر اوس کی بوندوں کی طرح گرتی رہی ہے اور وہ اسے اپنی اوک میں وصول کرتے رہے ہیں۔ یہ کتاب اخلاقیات کے حوالے سے بھی قابل ذکر ہے اور نئی پود کو مستقیم راستے پر چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ ایسی کتاب ابتدائی جماعتوں کے نصاب میں شامل ہونی چاہیے۔

ڈاکٹر وزیر آغا

99

Marfat.com